لح 1355 ہش — جنوری 1976ء

ایڈیٹر : نسیم مہدی

ایڈیٹر کی بات

نعتِ رسولؐ

کلام الامام

نظم

قابلِ قدر تحقیقی مقالہ

سفرنامہ

رنگِ تغزل

دلچسپ اور عجیب

انشائیہ

عزم و ہمت

"تیری عاجزانہ راہیں اُس کو پسند آئیں" (الہام مسیح موعود علیہ السلام)

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی" (مصلح الموعودؓ)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان
ربوہ
ماہنامہ
خالد
جلد ۲۲
نمبر ۳
جلسہ ○ سالانہ ○ نمبر
صلح ۱۳۵۵ ہش • جنوری ۱۹۷۶ء
ایڈیٹر: نسیم مہدی
ناشرین: • طارق محمود طارق • حافظ مظفر احمد
ترتیب و تزئین: • مغفور احمد منیب

ماہنامہ خالد ربوہ

جنوری ١٩٧٦ء

جلسہ سالانہ نمبر

قصص الیوم مطعام الاهالی

ھرقل نے جب ابوسفیانؓ سے یہ سوال کیا کہ ـــــ "جس نبی کا تم ذکر کرتے ہو کیا اس کی جماعت بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟" ـــــ تو اس نے یہ جواب دیا کہ "اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔" ـــــ اس پر ہرقل نے کہا تھا ـــــ "ایمان کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے!"

اس زمانہ میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ایک چھوٹی سی بستی سے ایک گمنام شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ خدا کا مامور ہے اور خدا اس کی تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچائے گا ـــــ پھر وہ شخص اکیلا نہ رہا۔ اس کی جماعت میں اضافہ ہوتا چلا گیا ـــــ ١٨٩١ء کی بات ہے اس جماعت کے پہلے جلسہ سالانہ میں صرف ٧٥ افراد شریک ہوئے۔ یہ تعداد بانیٔ جماعتؑ کی زندگی میں ہی تین ہزار (٣٠٠٠) تک پہنچ گئی اور پھر اس میں سال بہ سال اضافہ ہوتا چلا گیا ـــــ

ایک جلسہ کا ذکر ہے۔ خرچ کیلئے روپیہ نہ رہا۔ حضرت میر ناصر نوابؓ نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں اطلاع دی فرمایا ـــــ "بیوی صاحبہ سے کہہ کر کوئی زیور فروخت کر کے انتظام کر لیں ـــــ!" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دوسرے روز وہ رقم بھی ختم ہو گئی۔ دوبارہ عرض کی گئی ـــــ آقائے دو جہاںؐ کے غلام نے بڑے جلال سے فرمایا ـــــ "ہم نے برعایت ظاہری اسباب انتظام کر دیا تھا۔ اب ہمیں ضرورت نہیں۔ جس کے مہمان ہیں وہ خود کرے گا ـــــ" غیرتِ خداوندی جوش میں آئی ـــــ اسی روز ڈاک سے کئی منی آرڈر موصول ہوئے جو ان دوستوں کی طرف سے تھے جو بامر مجبوری جلسہ میں شامل نہ ہو سکے تھے ـــــ

ایک دیہاتی دوسرے سے کہہ رہا تھا ـــــ "گھبراتے کیوں ہو؟ اس بھیڑ میں گھس جاؤ اور زیارت کر لو! ایسے مواقع پر اگر بدن کی بوٹیاں بھی اڑ جائیں تو پرواہ نہیں ـــــ!" قریب کھڑے ایک بزرگ فرمانے لگے ـــــ "لوگ بیچارے

کیا کریں؟ تیرہ سو سال بعد ایک نبی کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ پروانے نہ بنیں تو کیا کریں؟" ——— یہ واقعہ ۱۹۰۷ء کے تاریخی جلسہ کا ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا آخری جلسہ ثابت ہوا ——— ۲۶ دسمبر کی بات ہے۔ حضرت اقدسؑ سیر کے لئے باہر تشریف لائے تو احباب کا ایک ہجوم تھا۔ ایک درخت کے نیچے احباب جماعت کے ساتھ مصافحہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو تقریباً دو گھنٹے تک مسلسل جاری رہا۔ اس سال جلسہ سالانہ میں تین ہزار اصحاب شامل ہوئے۔ اسی جلسہ میں حضورؑ نے تقریر میں فرمایا۔ "زندگی کا کچھ اعتبار نہیں جس قدر لوگ آج اس جگہ موجود ہیں معلوم نہیں ان میں سے کون آئندہ تک رہے گا اور کون مر جائے گا۔"

اور آب

سوا لاکھ سے زیادہ لوگ اس جلسہ میں شریک ہوتے ہیں۔ پاکستان کے دور و نزدیک سے تو لوگ آتے ہی ہیں غیر ممالک سے بھی پروانے کشاں کشاں اس شمع کے گرد پہنچتے ہیں امسال ایک سو کے قریب غیر ملکی باشندے اس جلسہ میں شریک ہو رہے ہیں ——— تنوروں کی بجائے مشینیں لگ رہی ہیں جن کی مدد سے روزانہ تقریباً تین لاکھ کے قریب روٹیاں پکتی ہیں ——— اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں ——— ہر شخص حضرت اقدسؑ کی یہ بات اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی دیکھ سکتا ہے ——— کہ

"لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکْلِیْ فَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَهَالِیْ"

اک زمانہ تھا جب دستر خوان کے بچے کھچے ٹکڑے میری غذا تھے اور آج کئی خاندان میرے دستر خوان پر کھانا کھا رہے ہیں ———

پچھلے دنوں

ایک غیر ملک سے دو دوست ربوہ آئے۔ جب میں نے انہیں جلسہ سالانہ کی تفاصیل بتائیں تو وہ حیران رہ گئے ——— میں نے انہیں بتایا کہ تقریباً سوا لاکھ افراد کے قیام اور طعام کا مؤقت انتظام اس چھوٹی سی بستی میں کیا جاتا ہے ——— انہیں یقین نہ آیا ——— میں نے کہا "یہ درست ہے کہ آپ کو اس وقت تک یقین نہ آئے گا جب تک آپ اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ نہ دیکھ لیں گے" ——— پھر میں نے انہیں یہ لطیفہ سنایا کہ ہم نے ایک غیر ملکی فرم کو روٹیاں پکانے کی مشین کے بارے میں خط لکھا ——— اس کا جواب آیا کہ ——— "شاید آپ کے ٹائپسٹ نے غلطی کی ہے۔ اتنی تعداد میں روٹیاں پکانا تو ممکن نہیں۔ براہ کرم ہمیں دوبارہ صحیح تعداد سے مطلع کریں۔" ———

کیا

یہ ایک عظیم الشان نشان نہیں ——— ؟ کیا مفتریوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی سلوک ہوتا ہے ——— ؟ کیا خدا پر جھوٹ باندھنے والے اسی طرح کامیاب ہوتے ہیں ——— ؟ فکروا یا اولی الالباب!

بحضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جناب خواجہ نذیر احمد ظفر

گلدستۂ صفات ہے سیرت رسولؐ کی
عنوانِ کائنات ہے سیرت رسولؐ کی

ہے طور سے سوا دلِ عشاقِ مصطفیٰؐ
اصلِ تجلیات ہے سیرت رسولؐ کی

قرآن کا مثیل ہے کردارِ آنجنابؐ
یعنی خدا کی بات ہے سیرت رسولؐ کی

ہیبت فزا ہے نعرۂ تکبیرِ مصطفیٰؐ
موتِ منات و لات ہے سیرت رسولؐ کی

انسانیت کے ہاتھ میں کیا ہے جو یہ نہ ہو
"سرمایۂ حیات ہے سیرت رسولؐ کی"

کچھ مصلحت کی بات ہے کچھ حادثات ہیں
اک دل کی واردات ہے سیرت رسولؐ کی

ہے خالقِ حیات ہی خود منزلِ حیات
اور جادۂ حیات ہے سیرت رسولؐ کی

مشکل کشا کی قوم ہے مشکل میں مبتلا
اور حلِ مشکلات ہے سیرت رسولؐ کی

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلسہ سالانہ کی غرض و غایت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

- "اِس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ بھی ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اُٹھانے کا موقع ملے اور اُن کے معلوماتِ دینی وسیع ہوں اور خُدا تعالیٰ کی فضل و توفیق سے اُن کی معرفت ترقّی پذیر ہو۔
- اِس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھیگا اور اِس جماعت کے تعلّقات اخوت استحکام پذیر ہونگے۔
- ماسوا اِس کے اِس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یُورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کیلئے تدابیرِ حَسنہ پیش کی جائیں کیونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے طیّار ہو رہے ہیں۔" (اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)
- "حتّی الوسع تمام دوستوں کو محض لِلّٰہ ربّانی باتوں کے سُننے کیلئے اور دُعا میں شریک ہونے کیلئے تاریخ پر آجانا چاہیئے اور اِس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سُنانے کا شغل رہیگا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقّی دینے کیلئے ضروری ہیں اور نیز اُن دوستوں کیلئے خاص دعائیں اور خاص توجّہ ہوگی۔ (شہادۃ القرآن)
- ایک عارضی فائدہ اِن جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال جس قدر نئے بھائی اِس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقرّرہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے مُنہ دیکھ لیں گے اور رُوشناس ہو کر آپس میں تودّد و تعارف ترقّی پذیر ہوتا رہے گا۔ (آسمانی فیصلہ)

میں جانتا ہوں کہ بے ٹھکانہ بھی لوگ رہتے ہیں اس جہاں میں
نہ جن کا گھر ہے
نہ کوئی دیوار اور دریچہ
نہ چھت کا سایہ سروں پہ جن کے
نہ کوئی کمرہ کہ وہ سجا لیں
اور اس کے پردوں کے پیچھے اپنی
برہنہ ہستی کو ہی چھپا لیں
وہ رہگزاروں پہ گھوم پھر کر
گزار دیتے ہیں رات اپنی
دلوں میں ہوں موجزن سمندر
مگر کسی کو نہیں بتاتے کسی طرح بھی وہ بات اپنی

میں رہگزاروں پہ پھرنے والوں کو
گھور کر دیکھتا ہوں لیکن
یہ سوچتا ہوں
اگر کوئی رک کے مجھ کو دیکھے
مری نگاہوں میں اپنی حیرت زدہ نگاہوں کو گاڑ دے وہ
اور اتنا پوچھے
کہاں سے آئے ہو؟
کیا ارادہ ہے؟
اور ٹھکانہ ہے کس جگہ پر؟
میں کیا کہوں گا؟
میں چپ رہوں گا
کہ میں تو بے گھر ہوں، بے ٹھکانہ

جناب نسیم سیفی

کلام الامام امام الکلام

آخری قسط

سفرِ یورپ کے دوران

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے

رُوح پرور خطابات

جناب ملک منصور احمد عمر شاہد ربوہ

اس مضمون میں حضور ایدہ اللہ کے تمام ارشادات اپنے الفاظ میں خلاصۃً پیش کئے گئے ہیں ــــــــــ (مرتب)

انسانی جسم بھی عجائباتِ قدرت کا ایک محیّر العقول کارخانہ ہے

یکم تبوک کی شب احباب کے درمیان رونق افروز ہونے پر حضور انور نے جدید طبی اور سائنسی تحقیقات کے متعلق گفتگو فرمائی۔ وٹامنز اور معدنی اجزا کے انسانی جسم پر اثرات کے ضمن میں فرمایا کہ کائنات کی طرح خود انسانی جسم بھی عجائبات قدرت کا ایک محیّر العقول کارخانہ ہے۔ اس کارخانہ کی اصل کنہہ و کیفیت کو معلوم کرنا اور اس کے پورے نظام پر حاوی ہونا انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔

ہر مذہب کا ہو خلد پیرو کار مسجد احمدیہ میں عبادت بجالا سکتا ہے

سویڈن کے ایک ماہر آرکیٹکٹ گوٹن برگ میں تعمیر کی جانے والی مجوزہ مسجد اور مشن ہاؤس کا ابتدائی نقشہ ہر تبوک کو حضور کو دکھانے کے لئے لائے تھے اس موقع پر حضور نے فرمایا۔ کہ اگرچہ یہ مسجد جماعت احمدیہ تعمیر کر رہی ہے اور ظاہری لحاظ سے یہ اسی کی ملکیت ہو گی لیکن چونکہ مسجد خانہ خدا ہوتی ہے

اس لئے اس کے دروازے ان تمام لوگوں کے لئے عبادت کی غرض سے کھلے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے اور کسی قسم کا شرک نہیں کرتے ایسے لوگوں کا تعلق خواہ کسی مذہب سے ہو۔

آئندہ پندرہ سال غلبہ اسلام کیلئے خصوصی دعاؤں اور قربانیوں کے سال ہیں

۵ ارتبوک کو خطبہ جمعہ کے دوران حضور اقدس نے فرمایا کہ آئندہ پندرہ سال غلبہ اسلام کے لئے خصوصی دعاؤں اور قربانیوں کے سال ہیں۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذریعہ سے روئے زمین پر بسنے والے تمام بنی نوع کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور وہ اپنے اس فیصلہ کو نافذ کرکے رہیگا۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس امر کی پرواہ کئے بغیر کہ دنیا کیا کہتی ہے اور کیا نہیں کہتی اپنے آپ کو ایسا بنائیں کہ ہم میں سے ہر شخص دنیا کو اللہ کی طرف دعوت دینے اور اعمال صالحہ بجا لانے کے نتیجہ میں خود خدا کے حضور کہہ سکے کہ میں یقیناً مسلمان ہوں۔

اسلام نے حُسنِ عمل پر زور دیا ہے

۱۱ ارتبوک کی شب مجلس عرفان کے دوران حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بالعموم دیانتداری کے فقدان کے ذکر پر فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے کہ ایسا قول جس کے ساتھ عمل نہ ہو سراسر بے برکت ہے اس لئے عمل از حد ضروری ہے لیکن دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض اوقات عمل کا وہ نتیجہ نہیں نکلتا جو نکلنا چاہیئے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ محض عمل اپنی جگہ چنداں اہم نہیں ہوتا بلکہ اہمیت حسن عمل کو حاصل ہوتی ہے اسی لئے اسلام نے محض عمل پر نہیں بلکہ حسن عمل پر زور دیا ہے عمل میں حسن دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک دیانتداری سے اور دوسرے کام کی لگن سے۔

آنحضرتؐ نے گھوڑے کی غور و پرداخت فرمائی

۱۵ ارتبوک کی شب حضور نے گھوڑوں کے ذکر پر فرمایا کہ انگریزی میں گھوڑوں کے متعلق کوئی اچھی اور معروف کتاب ایسی نہیں جس میں عرب گھوڑے کی تعریف نہ کی گئی ہو۔ نیز یہ کہ قریباً ہر مصنّف نے یہ ضرور لکھا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عربی گھوڑے کو وہ اہمیت دی جس کا وہ اپنے مخصوص اوصاف کی وجہ سے مستحق ہے۔ آپؐ نے اس کی غور و پرداخت پر زور دیا اور جنگوں وغیرہ میں اس سے کام لینا شروع کیا۔ حضور نے فرمایا۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ عقل سے کام لے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر شے سے جائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔

تیر اندازی کے فن میں کمال حاصل کریں

۱۷ ارتبوک کو مجلس میں شکار کا ذکر آنے پر حضور نے تیر کے ذریعہ شکار کرنے پر بہت ہی معلومات افزا پیرایہ میں روشنی ڈالی اور پھر اسلام کے ابتدائی دور میں کفار کے بالمقابل جنگوں میں تیر اندازی میں کمال درجہ مہارت کے ذریعہ کامیاب ہونے کا بہت ایمان افروز پیرایہ میں تذکرہ فرمایا۔ نیز فرمایا کہ اب جبکہ مغربی قومیں بھی تیر اندازی کے فن کو اہمیت دے رہی ہیں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ از سر نو اس طرف متوجہ ہوں اور اسے زیادہ سے زیادہ رواج دے کر اس میں کمال حاصل کریں۔

کسی شخص کے مومن ہونے کا فیصلہ خدا نے کرنا ہے

۱۹ ر تبوک کو خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے حضور اقدس نے قرآن مجید کی رُو سے ثابت فرمایا کہ کسی شخص کے مومن ہونے اور اس بناء پر اس کے جنت میں جانے یا نہ جانے کا فیصلہ بندوں نے نہیں خدا نے کرنا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو غلطی خوردہ قرار دیا ہے جو اپنے اور دوسروں کے جنت میں جانے یا نہ جانے کا خود فیصلہ کرتے ہیں نیز فرمایا کہ خدا تعالیٰ انہیں ہی جنت کا مستحق قرار دیتا ہے جو اپنے آپ کو کلی طور پر خدا کے سپرد کر دیتے اور نیک اعمال بجا لاتے ہیں۔ پس احباب دعائیں کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بلٰی من اسلم وجہہ للہ وھو محسن کا حقیقی مصداق بنائے اور فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کی رو سے اپنے وعدہ کے مطابق انہیں اس دنیا میں بھی جنت عطا کرے اور پھر اگلے جہان میں بھی انہیں جنت کا وارث بنائے۔

انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کا اطاعت گزار بندہ بنے

۲۰ ر تبوک کو ایک دعوت کے موقعہ پر سلسلۂ کلام شروع ہوتے پر حضور نے فرمایا کہ محض مسلمان ہونا یا مسلمان کہلانا اپنے اندر کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور نہ احمدی کہلانے میں کوئی خاص فضیلت ہے جس چیز کو اصل اور بنیادی اہمیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ انسان اعتقادی اور عملی ہر دو لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کا صحیح معنوں میں اطاعت گزار اور فرمانبردار بندہ بنے

مسجد کے قیام پر خدا تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیئے

۲۷ ر تبوک کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سویڈن کے شہر گوٹن برگ میں پہلی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کے بعد چیف آرکیٹکٹ سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کل موسم خراب دیکھ کر میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تھی کہ اگلے روز ایسا موسم ہو جس میں مسجد کا سنگ بنیاد رکھے جانے کی تقریب بہت سہولت اور آسانی سے انجام پذیر ہو سکے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دعا کو قبول فرما کر آج موسم کو خوشگوار بنا دیا۔

اس موقعہ پر مصر کے ایک دوست نے حضور کی خدمت میں مبارکباد پیش کی۔ حضور نے فرمایا کہ ہم خدا کا گھر تعمیر کر رہے ہیں۔ اس خدمت پر ہم کسی تعریف یا مبارکباد کے مستحق نہیں تعریف کا مستحق خدا تعالیٰ ہے جس نے ہمیں اس کا گھر بنانے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہمیں اور آپ کو اسی کی حمد اور اسی کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

بیعت خدائے قدوس کیساتھ ایک عہد ہے

۲۸ ر تبوک کو چودہ یوگوسلاوین باشندوں (چھ مرد اور آٹھ خواتین) نے بیعت فارم پر کر کے جماعت احمدیہ میں شمولیت اختیار کی اس موقع پر حضور اقدس نے بیعت کرنے والے احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا بیعت میرے ساتھ نہیں بلکہ خدائے قادر و قدوس کے ساتھ ایک عہد ہے جو آپ نے اس وقت باندھا ہے۔ ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام دنیا بھر میں غالب آ جائے گا۔ آپ نے غلبہ اسلام کے لئے جدوجہد کرنے اور

قربانیاں پیش کرنے کے لئے آج اپنے خدا سے عہد کیا ہے۔

دلوں کو مسجد کی حقیقی رُوح کا آئینہ دار بنائیں

۳۰ ستمبر کو احباب اوسلو (ناروے) کی طرف سے دیئے جانے والے استقبالیہ میں حضور نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے آپ دوستوں سے مل کر خوشی کا ہونا ایک طبعی امر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جماعت احمدیہ کو ایک خاندان بنا دیا ہے۔ خطاب جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ میرے یہاں آنے کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ میں آپ کو یہ بتاؤں اور یہ امر آپ کے ذہن نشین کراؤں کہ سکینڈے نیویا میں غلبۂ اسلام کی مہم کو تیز کرنے اور اسے مثمر بثمرات بنانے کے لئے اوسلو میں بھی مسجد کا ہونا بہت ضروری ہے۔ فرمایا کہ امید ہے گوٹن برگ کی مسجد اگلے سال مکمل ہو جائے گی اور میں چاہتا ہوں کہ اس مسجد کے مکمل ہونے پر میں اس کے افتتاح کے لئے بھی آؤں اور اس موقعہ پر اوسلو میں مسجد کا سنگِ بنیاد بھی رکھوں لیکن مسجد کے لئے ایک سال کے اندر اندر باموقع زمین حاصل کر کے اس کی تعمیر ۱۹۷۸ء میں مکمل ہو جانی چاہیئے۔ آخر میں حضور انور نے فرمایا کہ یہاں کے احباب مسجد تعمیر کرنے کی جدوجہد کے ساتھ اپنے دلوں کو مسجد کی حقیقی روح کا آئینہ دار بنائیں۔

اسلام دُنیا میں غالب آکر رہے گا

۳ اخاء کو حضرت اقدس نے مسجد نصرت جہاں کوپن ہیگن (ڈنمارک) میں نماز جمعہ پڑھائی۔ خطبہ جمعہ میں حضور نے یہ امر ذہن نشین کروایا کہ گزشتہ ۸۵ سال میں ہم نے بے شمار آسمانی بشارتوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھا ہے اس لئے ہر احمدی کا دل اس یقین سے پُر ہونا چاہیئے کہ تمام دیگر بشارتیں پوری ہونگی اور اسلام دنیا میں غالب آکر رہے گا۔

خدا نے ہر دن ہمارے لئے عید میں تبدیل کر دکھایا ہے

۷ اخاء کو حضور نے اپنے روح پرور خطبہ عید میں احباب پر یہ حقیقت واضح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ غلبہ اسلام کی راہ کو روشن تر اور اس پر اسلام کی پیش قدمی کو تیز سے تیز تر کر کے ہمارے لئے ہر روز ہی خوشیوں کے سامان کرتا چلا آرہا ہے اور اس نے اپنے فضل سے ہمارے لئے ہر دن کو عید میں تبدیل کر دکھایا ہے یہ زمانہ غلبۂ اسلام کا زمانہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے عید کا زمانہ ہے۔ اسی لئے ہمیں یہ حکم ہے کہ خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو۔ لیکن اس لیے انداز خوشی کے ہم اس صورت میں مستحق ہو سکتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے غلبہ اسلام کی خاطر اپنی قربانیوں کے معیار کو بلند سے بلند تر کرتے چلے جائیں اور وہی انعام پائیں جو انہیں ملے ہیں۔

مستقبل کو سنوارنے کی فکر رکھیں۔

۱۰ اخاء کو خطبہ جمعہ میں حضور نے فرمایا کہ حقیقی مومن کے لئے مستقبل کو سنوارنے کی فکر رکھنا اور ہر دم اس کے لئے کوشاں رہنا از بس ضروری ہے۔ نیز فرمایا کہ جو لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں خدا انہیں ان کی فلاح بُھلا دیتا ہے اور انہیں بہت ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ خطبہ جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ انگلستان کے ماحول میں رہنے والوں پر خدائی احکام بجا لا کر مستقبل سنوارنے کی ذمہ داری بدرجہ اولیٰ عائد ہوتی ہے۔

(باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

حضرت داتا گنج بخش

علی الہجویری علیہ الرحمۃ

کی کتاب

کشف المحجوب

پر ایک نظر

o

جناب شیخ عبدالقادر۔ محقق
۲۱۵۔ رستم پارک۔ لاہور۔

کشف المحجوب فارسی زبان میں علم تصوف کی قدیم ترین کتاب ہے

یہ تصنیفِ لطیف نو سو سال پہلے کی ہے۔ صاحبِ کشف المحجوب کا پورا نام "سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلّابی الہجویری" ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں "داتا گنج بخش" کے لقب سے مشہور ہیں۔ سالِ وفات ۴۶۵ھ (۱۰۷۲ء) ہے۔

> "ایک ایسی کتاب کا جو آج سے کم و بیش نو سو برس پہلے لکھی گئی ہو۔ اصل نسخہ دستیاب ہونا محال ہے اور کشف المحجوب اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن اس کے بے شمار قلمی نسخے ابتداء ہی سے موجود ہیں اور دنیا کے متعدد کتب خانوں میں دستیاب ہیں۔ کاتبوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان میں اختلاف اور ردّ و بدل کی کیفیت پائی جاتی ہے۔" [1]

قدیم ترین نسخہ، تصنیف سے چار سو سال بعد کا ہے۔ لفظی اختلاف تو بہت سے ہیں۔ لیکن وہ اتنے معمولی ہیں کہ مضمون میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ البتہ عبارتوں میں حشو و زوائد قابلِ ذکر ہے بعض مثالیں ایسی ہیں کہ نفسِ مضمون میں فرق پڑ گیا۔ مثلاً حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کے قائل نظر نہیں آتے لیکن ایک فقرہ ایسا بھی آگیا ہے کہ مع گدڑی کے رفع کا ذکر ہے۔ اس تعارض کے حل کی یہی صورت ہے کہ سب حوالوں پر یک جائی نظر ڈالی جائے اور پھر فیصلہ کیا جائے

---

[1] گنج مطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب از پروفیسر محمد عبدالمجید یزدانی ایم اے صفحہ ۱۲-۱۳

ظاہر ہے کہ یہ اختلاف اور تعارض بعد کے ردّ و بدل کا نتیجہ ہو۔ بالخصوص اگر تعارض ان متداول عقائد میں ہو جو کہ عوام میں مشہور ہیں تو تغیر و تبدّل کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

(۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کشف المحجوب میں نو جگہ آیا ہے۔ بعض حوالے درج ذیل ہیں:۔

پہلا حوالہ

"اور آثار میں مشہور ہے کہ حضرت یحییٰؑ جب تک دنیا میں رہے کبھی نہ ہنسے اور عیسیٰ علیہ السلام جب تک زندہ رہے کبھی نہ روئے کیونکہ ان میں ایک حالت قبض میں تھے اور دوسرے بسط میں۔"
(گنج مطلوب ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۲۶۹)

قابل غور ہے کہ حضرت یحییٰؑ کے لئے "دنیا میں رہے" کے الفاظ ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے لئے "جب تک زندہ رہے" کے الفاظ۔ ظاہر ہے کہ راوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قائل ہے۔

دوسرا حوالہ

"پس روح ایک جسم لطیف ہے کہ اللہ کے حکم سے بدن میں آتی ہے اور اسی کے حکم سے واپس چلی جاتی ہے۔ اور پیغمبر فرماتے ہیں کہ ۔۔۔۔ میں نے شب معراج میں آدمؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، عیسیٰؑ اور ابراہیم علیہم السلام کو آسمانوں پر دیکھا ۔۔۔۔ تو لامحالہ وہ ان پیغمبروں کی روحیں ہی ہوں گی .... جبکہ روح جسم لطیف ہے۔ تو انہیں مرکب و کثیف حالت میں (یعنی اجسام کے ساتھ) کیوں کر دیکھا جا سکتا ہے .... ان کا اجسام میں آنا اور پھر اجسام سے نکل جانا امر ربی کے تحت ہے۔" (تلخیص صفحہ ۴۲۱)

اس حوالہ سے بھی ثابت ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ انبیاء کے رفع روحانی کے قائل تھے۔ نیز وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کے قائل نہیں ہیں۔

تیسرا حوالہ

"جنیدؒ کہتے ہیں کہ ۔۔۔۔ تصوف آٹھ خصائل پر مشتمل ہے اور وہ ہیں سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، غربت، لباس صوف، سیاحت اور فقر۔ سخاوت حضرت ابراہیمؑ سے، رضا حضرت اسماعیلؑ سے، صبر ایوبؑ سے، غربت یحییٰؑ سے، سیاحت عیسیٰؑ سے اور فقر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے بطور خاص مخصوص ہے۔"

اس قول کی مزید وضاحت ملاحظہ ہو:۔

"غربت یحییٰؑ کی اقتداء ہے کہ اپنے وطن

میں رہتے ہوئے بھی غریب الوطن تھے اور اپنے خویش و اقارب کے درمیان رہتے ہوئے بھی ان سے بیگانہ رہے۔ سیاحت عیسیٰ علیہ السلام کی کو سیاحت کے دوران جن کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ایک پیالہ اور کنگھی کے سوا کوئی سامانِ سفر نہ رکھتے تھے بلکہ جب دیکھا کہ ایک شخص اپنے دونوں ہاتھوں (کی اوک) سے پانی پی رہا ہے تو پیالہ بھی پھینک دیا اور پھر کسی کو انگلیوں سے بالوں کو سلجھاتے دیکھا تو کنگھی بھی دور پھینک دی۔" (صفحہ ۸۶-۸۷)

اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے دو اڑھائی سال قوم میں رہے اور پھر آسمان پر اٹھائے گئے تو اتنی لمبی چوڑی سیاحت کب ہوئی کہ نبی سیاح کے طور پر مشہور ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ رفع الی السماء کے قائل نہیں تھے بلکہ بروئے حدیث عمر مبارک ایک سو بیس سال مانتے تھے تبھی سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے "بطور خاص مخصوص" ہو سکتی ہے۔

چوتھا حوالہ

اب ایک ایسا حوالہ پیش ہے جس میں براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے سب رسل وفات پا چکے ہیں۔ فرمایا:۔۔۔

"جب تمام صحابہ رضوان اللہ اجمعین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت سعدیٰ اور خطیرۂ قدس میں تشریف لے جانے (یعنی وفات پا جانے) سے شکستہ دل ہو رہے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر فرما رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے ہیں میں اس کا سر کاٹ دوں گا۔ اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور بآوازِ بلند یہ فرمایا ۔۔۔ خبردار لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا پس بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے اور جو شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتا تھا۔ تو وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا ۔۔۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ۔۔۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ۔"

(تیسرا باب تصوف پہلی فصل)

پانچواں حوالہ

آخر میں ایک ایسا حوالہ ملاحظہ ہو جو کہ مذکورہ چاروں حوالوں کے خلاف اور متعارض ہے لکھا ہے:۔۔۔

"اور آثار صحیحہ میں مذکور ہے کہ جب
عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو آسمانوں پر
اٹھائے گئے تو اسی وقت انہوں نے
گدڑی پہن رکھی تھی۔"

(الفیاً صفحہ ۱۰۰)

اگر یہ فقرہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کا ہے تو پہلے
حوالوں کی تشریح کیا ہوگی؟ دوسرے اقتباس میں جہاں
لکھا ہے کہ آسمانوں میں آپ کا جسم نہیں گیا بلکہ روح
جسم سے جدا ہو کر گئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارواحِ انبیاءؑ میں آپ کو دیکھا۔ رفع جسمانی والا حوالہ کیا
بعد کے ردّ و بدل کا نتیجہ ہے؟ یہ امر قابل غور ہے۔

قرینہ بتاتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے دراصل
"رویائے شیخ" بیان کیا تھا۔ بعد میں اس پر ایک نئے
فقرہ کا پیوند لگا دیا گیا۔ رویا یوں ہے:۔

"اور مشائخ میں سے ایک بزرگ کہتے
ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کو خواب میں وہی صوف کی گدڑی پہنے
ہوئے دیکھا (جو وہ دنیا میں پہنا کرتے
تھے۔ ناقل) اور اس کے ہر پیوند سے
ایک نور سا چمکتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔
میں نے عرض کیا۔ یا مسیحؑ! آپ کے لباس
پر یہ انوار کیسے ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ انوار
میرے اضطرار کے ہیں کہ اس گدڑی پر
لگا ہوا ہر ٹکڑہ ضرورت کے تحت اس پر
سیا گیا تھا اور اب ہر وہ تکلیف جو
اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو پہنچائی تھی اسے
ایک نور کی شکل دے دی گئی ہے۔"

(الفیاً صفحہ ۱۰۰)

اس کشف کے اوپر یہ فقرہ ہے:۔

"اور آثار صحیحہ میں مذکور ہے کہ جب
حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو آسمان
پر اُٹھائے گئے تو اسی وقت انہوں نے
گدڑی پہن رکھی تھی۔"

اگر یہ فقرہ درست ہے تو معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی ملاقات اسی گدڑی والے جسم سے ہونا چاہیئے تھی۔ بہرحال
یہ قصہ اس ذکر کے متعارض ہے جس میں ارواحِ انبیاءؑ سے
ملاقات کے ذیل میں حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں:۔

"لامحالہ وہ ان پیغمبروں کی روحیں ہی
ہوں گی۔"

قرائن بتاتے ہیں کہ مذکورہ کشف کی مناسبت سے ایک فقرہ
بعد میں زائد کر دیا گیا ورنہ حضرت داتا گنج بخشؒ رفع روحانی
کے قائل تھے نہ کہ جسمانی کے۔

کشف المحجوب میں بعض اور باتیں بھی داخل کی گئیں
جو کہ عوام میں مشہور تھیں آدم خوشہ گندم کھا کر جنت سے
نکلے۔ یہ بات حضرت علی ہجویریؒ نے بیان نہیں کی لیکن ان
کی طرف منسوب کر دی گئی۔ حاشیہ صفحہ ۴۰۰ پر یہ وضاحت
موجود ہے

ایک جگہ سترہ اشعار کو ۲۴ میں بدل دیا گیا۔ (نوٹ
صفحہ ۴۴۱) مرور زمانہ کے باعث جب متن میں لفظی اختلاف
ہو گیا تو متنوں کے بعض فقروں کی تصحیح حاشیہ پر کی گئی۔ اس

کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں:

حواشی: صفحہ ۱۵۰، ۱۶۴، ۱۹۹، ۲۳۲،
۳۴۳، ۴۰۸، ۴۰۴۔

(گنج مطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب از پروفیسر عبدالمجید یزدانی)
اختلاف نُسخ کے پیشِ نظر علماء نے یہ تسلیم کیا ہے
کہ بعض عبارتیں متن کا حصّہ نہیں ہیں بلکہ بعد میں بڑھا دی گئیں۔
آغازِ کتاب ہی میں پہلی دو سطریں بعض مستند نسخوں میں شامل
نہیں ہیں۔ (حاشیہ ترجمہ صفحہ ۳۵)

(۲) صفحہ ۵۰ پر نوٹ ہے: ——
"اوپر والی آیت اور خط کشیدہ جملہ
ژوکوفسکی کے نسخہ میں نیچے حاشیہ میں درج
ہے لیکن عام ترجموں میں اوپر متن کا حصّہ ہے"

(۳) صفحہ ۹۳ پر نوٹ ہے: ——
"یہاں کچھ تکرار سی پیدا ہو گئی ہے ہمارے
خیال میں شاید کاتب نے بعض جملوں کو
مکرر تحریر کر دیا ہے۔ واللہ اعلم!"

(۴) اسی صفحہ پر (۹۳) نوٹ ہے: ——
"رسولِ خدا کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ
اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور کوتاہ کرو"
لباس کے سلسلہ میں "أي فقصّر" کے
الفاظ قرآن پاک میں کہیں بھی مذکور نہیں"

(۵) صفحہ ۱۰۵ پر نوٹ ہے: ——
"یہ جملہ اصل متن میں درج نہیں کیا گیا
حاشیے میں البتہ موجود ہے"

(۶) صفحہ ۱۱۳ پر نوٹ ہے: ——
"یہاں پر مصحح نے جس عبارت کو صحیح ترین
تصور کرتے ہوئے درج متن کیا ہے۔
ہمیں اس سے اتفاق نہیں...... کیونکہ
اس سے مفہوم نہ صرف بدل گیا ہے بلکہ
مہمل ہو کر رہ گیا ہے۔"

ان حوالوں کے پیشِ نظر ایک طرف معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو دیکھنا اور رؤیاء شیخ سے یہ استدلال کہ گدڑی سمیت رفع ہوا۔ متعارض ہیں لہٰذا ردّ و بدل واضح ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع روحانی تھا یا جسمانی؟ اس باب میں جو تعارض ہے اس کا ایک اور حل بھی ہے حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کا یہ اسلوب اور طریق ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے خیالات یُوں بیان کرتے ہیں جیسے اُن کے اپنے ہوں۔ اس سے بعض لوگوں کو ٹھوکر لگتی ہے۔ جہاں انھوں نے اپنی رائے کا اظہار کرنا ہو وہ صاف لکھ دیتے ہیں کہ "میرا خیال اس مسئلہ میں یہ ہے" ان کا اپنا فیصلہ ان کا عقیدہ ہوتا ہے نہ کہ دوسرے بزرگوں کے اقوال۔ اپنے فیصلہ کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ——

"لامحالہ وہ ان پیغمبروں کی روحیں ہی
ہوں گی" (نہ کہ ان کے اجسام)

یا پھر کہتے ہیں: ——

"میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں"

کشف المحجوب کے اس اسلوبِ خاص کے متعلق صفحہ ۳۴۷ کے حاشیہ پر پروفیسر محمد عبدالمجید یزدانی ایم اے نے حسب ذیل نوٹ دیا ہے: ——

"کشف المحجوب کے بعض ناقدین اپنے خام اور سرسری مطالعہ کی وجہ سے ایسے ایسے اعتراضات علی ہجویریؒ پر کر دیا کرتے ہیں جن کا در اصل موصوف کی ذات یا نظریات سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ دوسروں کے خیالات و نظریات ہوتے ہیں جن پر وہ بحث کر رہے ہوتے ہیں اور (نقل کفر کفر نباشد) وہی الفاظ دہراتے ہیں جو ان لوگوں نے کہے ہوتے ہیں۔ ہاں اعتراض کا شوق ہو تو ان عبارتوں پہ کیجئے جو ان الفاظ کے بعد شروع ہوتی ہیں یعنی علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں"

یہی اسلوب رفع عیسیٰؑ کے بارے میں ہو سکتا ہے۔ آسمان پر حضرت عیسیٰؑ کا بدن نہیں بلکہ روح ہے جیسے باقی انبیاءؑ کی ارواح ہیں اور ان سب سے معراج کی رات یکساں ملاقات ہوئی۔ لامحالہ یہ پیغمبروں کے اجسام نہیں بلکہ ارواح تھیں یہ فیصلہ صاحب کشف المحجوب کا ہے۔

دوسروں کے خیال اور نظریہ کا بھی آپ نے ذکر فرمایا کہ مع جسم آسمان پر گئے۔ اس لئے تعارض کی صورت بظاہر پیدا ہو گئی لیکن اسلوب خاص کے پیش نظر کوئی تعارض نہیں ہے۔ ایک جگہ موصوف کا ذاتی نظریہ ہے اور دوسری جگہ عام عقیدہ کا اظہار۔ واللہ اعلم!

یہاں یہ بتانا بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رفع الی السماء کے بعد جب دوبارہ آئیں گے تو ان کی نبوت سلب ہو جائیگی

یا وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے۔ اس قسم کے خیالات داتا گنج بخشؒ کے علم کلام کے سراسر خلاف ہیں۔ داتا گنج بخش نبوت کو غیر منفک مانتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر مبارک میں فرماتے ہیں:۔

"پس لاجرم ولایت کی ابتدا بھی ہوتی ہے اور انتہا بھی ——— لیکن نبوت ان قیود سے آزاد ہے۔ وہ جب تک زندہ تھے۔ نبی تھے۔ اور جب تک رہیں گے نبی ہی رہیں گے بلکہ جب موجود نہ تھے تو بھی اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ میں وہ نبی ہی تھے۔"

(ایضاً۔ صفحہ ۳۸۴) ••

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے

جناب ڈاکٹر پرویز پروازی - ایم اے پی ایچ ڈی (اوساکا)

محترم ڈاکٹر ناصر احمد خان پرویز پروازی ربوہ سے اوساکا (جاپان) تک کی روداد سفر بیان کرتے ہیں　　(ایڈیٹر)

ربوہ سے روانگی

اوساکا آنے کے لئے ربوہ سے روانہ ہوئے تو عجیب و غریب کیفیت تھی۔ ہر ذرہ سے لپٹ لپٹ کر ملنے کو جی چاہتا تھا ــــ گاڑی روانہ ہوئی تو آنکھیں چھلک آئیں۔ لیکن بچوں کو ڈھارس دینے کے خیال سے آنسو پی لئے۔ جیسے جیسے گاڑی ربوہ سے دور ہوتی گئی دل ڈوبتا گیا ؎

ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

لاہور سے پی آئی اے کے ذریعہ کراچی تک آئے ــــ لاہور ایئرپورٹ پر بہت سے دوست احباب اور اعزہ چھوڑنے آئے تھے۔ ان سے مل کر روانگی کے لاؤنج کی جانب چلے تو دل دھک دھک کر رہا تھا۔ تلاشی ہوئی۔ ارشاد ہوا ــــ "آپ کے پاس کوئی اسلحہ وغیرہ تو نہیں؟" ــــ "جی نہیں" ــــ "کوئی قابلِ اعتراض چیز تو نہیں ــــ؟"

"قابلِ اعتراض سے آپ کی کیا مراد ہے؟" ــــ "یہی کوئی بھنگ۔ چرس۔ افیم وغیرہ" ــــ "کیا میں شکل و صورت سے ایسا معلوم ہوتا ہوں؟" ــــ "نہیں یہ بات نہیں۔ ہر ایک سے پوچھنا فرض ہے ــــ پیچھے وہ ایک شخص آ رہا ہے جو شکل و صورت سے افیمی لگتا ہے"

اتنے میں ہم آگے بڑھ گئے ــــ پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس "افیمی" سے سوالات ہو رہے تھے ــــ غور سے دیکھا تو وہ مشہور افسانہ نگار اشفاق احمد تھے ــــ وہی ریڈیو پاکستان والے "تلقین شاہ" ــــ لاؤنج میں ہم نے انہیں "متلاشی" (تلاشی لینے والا) کا فقرہ سنایا۔ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے اور خالص تلقین شاہی انداز میں کہا ــــ "ہدایت اللہ! تیں ساری عمر ایویں ایں رہویں گا ــــ"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مائیک پر اعلان ہوا ــــ "راولپنڈی سے آنے والے جناب ممتاز مفتی اگر یہ اعلان سن رہے ہوں تو کاؤنٹر سے رابطہ قائم کریں ــــ" اشفاق احمد نے ہڑبڑا کر

ادھر ادھر دیکھا۔ ممتاز مفتی لاؤنج کے ایک کونے سے اُٹھ
کر کاؤنٹر کی جانب جا رہے تھے۔ اشفاق احمد نے ہاتھ ملتے
ہوئے کہا ——— "مارا گیا یہ مُوتا بلے چارا۔ شکل سے
بالکل ...." اتنے میں ممتاز مفتی صاحب فارغ ہو کر واپس
آگئے۔ اشفاق اور ممتاز مفتی سامنے کے صوفے پر بیٹھ کر گپ
شپ کرنے لگے اور ہم ایک کونے میں بیٹھ کر ہوائی جہاز کی
روانگی کے اعلان کا انتظار کرنے لگے۔

اندیشہ ہائے دُور و دراز

چونکہ جہاز میں سفر کرنے کا پہلا موقع تھا۔ سو سو
اندیشے دل میں تھے۔ لاؤنج سے جہاز کی جانب چلے تو پھر وہی
دوست۔ اعزہ کے چہرے سامنے تھے۔ سب ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع
کہہ رہے تھے۔ دل امڈا آتا تھا لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

ہم نے تھاما تھا سیل گریہ کو
ورنہ بادل امڈ کے آیا تھا

جہاز پر سوار ہوئے۔ اندر پہنچے تو ایک نیا جہان آباد تھا۔ بچے
جہاز پر سوار ہونے کی خوشی میں بہت خوش تھے۔ فرسٹ کلاس
تقریباً خالی تھا۔ صرف دو مسافر پہلے سے موجود تھے۔ ہماری
سیٹیں ساتھ ساتھ تھیں۔ دو ایک طرف اور دو دوسری طرف
اور ایک پیچھے۔ میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک صاحب بڑے
انہماک سے اخبار پڑھ رہے تھے۔ جہاز کا دروازہ بند ہوا۔
انجن چلے اور پھر جہاز رینگنے لگا۔ تھوڑی سی گھبراہٹ ہوئی
لیکن جب جہاز فضا میں بلند ہوا تو ہم نے تفنن طبع کے طور پر
اپنے آپ سے کہا ——— "لو میاں پرواز! آج پرواز
کر کے دیکھ لو!" اس پر خود ہی کھسیانی سی ہنسی ہنس کر ادھر
ادھر دیکھا۔ کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ بچے کھڑکیوں سے باہر
دیکھ رہے تھے اور بیگم چھوٹی بچی کو سینے سے لگائے غالباً
آیۃ الکرسی پڑھ رہی تھیں۔ جب جہاز اوپر پہنچ کر سیدھا
ہوا تو چائے پانی کا دور چلنے لگا۔ پہلے تو ائر ہوسٹس نے
چھوٹے چھوٹے گیلے تولیے دیئے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان
کا کیا کیا جائے۔ کن انکھیوں سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا وہ
ان سے ہاتھ صاف کرنے لگے۔ ہم نے بھی ہاتھ صاف کئے اور
بچوں کو خالص پدرانہ اور ماہرانہ انداز میں ان تولیوں کی ترکیب
استعمال بتائی ع

"رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم"

کراچی سے پہلے

چائے آئی۔ پھل آیا اور پتہ نہیں کیا کیا الا بلا لائی گئی
لیکن ہم نے صرف چائے پر اکتفا کی جس کا ہمارے ساتھی پر
بڑا خوشگوار اثر پڑا کیونکہ وہ حضرت بھی ہر چیز کے بارہ میں۔
"نہیں نہیں" کہتے کہتے چائے کے نام پر ریشہ خطمی ہو گئے تھے
مائل بہ تعارف ہوئے تو بتایا کہ جناب پی آئی اے کے پائلٹ
ہیں اور اس وقت کسی نجی کام سے کراچی جا رہے ہیں اور یہ
بھی بتایا کہ پی آئی اے کا جو جہاز ٹوکیو جاتا ہے وہ آپ ہی
چلاتے ہیں ——— وغیرہ وغیرہ

ہم نے بھی رسماً اپنا تعارف کروایا اور ایک دو شناسا
پائلٹ حضرات کا حوالہ دیا تو وہ اور کھل گئے۔ ابھی ہم تعارف
کی اسی منزل میں تھے کہ اعلان ہوا۔ "ہم تھوڑی دیر میں کراچی
کے ہوائی اڈہ پر اترنے والے ہیں اس لئے حفاظتی بند (بیلٹ)
باندھ لیجئے ———!" ہاں بیلٹ باندھتے ہی یاد آیا کہ

بیٹی موناؔ کسی صورت میں یہ بیلٹ باندھنے پر راضی نہیں ہوتی تھی۔ ائیر ہوسٹس نے پیار سے دلار سے ہر طریق سے کوشش کی لیکن موناؔ اس کے قابو میں نہیں آئی اور بغیر بیلٹ کے ہی بیٹھی رہی اب جو جہاز کے اترنے کا اعلان ہوا تو خود بخود کہنے لگی "ابّو۔ یہ بیلٹ باندھ دیں!" میں نے کہا۔ "بیٹی اب کیوں؟" کہنے لگی۔ "وہ تو مَیں اس لڑکی کو چڑا رہی تھی۔"

کراچی کا فضائی مستقر

جہاز اترنے لگا۔ جیسے جیسے جہاز نیچے کی طرف آتا گیا کانوں کے پردے بند ہوتے چلے گئے۔ یہ ایک نیا تجربہ تھا جب کان کھلے تو معلوم ہوا کہ جہاز لینڈ کر چکا ہے اور رن وے پر بھاگ رہا ہے۔ آنکھیں کھل گئیں کہ جہاز اتنی صفائی سے اُتر جاتا ہے۔ پائلٹ کو داد دینے کو جی چاہا۔ جب سیڑھی لگنے لگے تو سیڑھی نے اگلے دروازے پر لگنے سے انکار کر دیا۔ کوئی میکانکی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ ادھر سب لوگ اتر چکے تھے ہم فرسٹ کلاس والے کھلے دروازہ میں کھڑے نیچے دیکھ رہے تھے کہ کب سیڑھی لگے اور کب نیچے اتریں۔ اتنے میں پائلٹ کے کیبن کا دروازہ کھلا اور ایک دڑھیل فرنگی چہرہ نمودار ہوا اور سٹیورڈ سے گویا ہوا کہ "ان مسافروں کو پچھلے دروازے سے نیچے اتار دو کیونکہ جہاز لیٹ ہو جائے گا۔ مجھے ابھی واپس جانا ہے"۔۔۔۔۔ مَیں نے اپنے ساتھی کیپٹن سے پوچھا "کیا پی آئی اے میں بھی غیر ملکی پائلٹ ہیں؟" جھینپ کر کہنے لگے۔ "صرف پائلٹ؟ جناب جس جہاز میں آپ نے سفر کیا ہے یہ جہاز کا جہاز ایک غیر ملکی فضائی کمپنی کا ہے جو پی آئی اے نے کرایہ پر لے رکھا ہے"۔۔۔۔۔ "اور جو جہاز آپ چلاتے ہیں وہ........؟" فوراً چمک کر بولے "وہ اپنا ہی ہے!"۔۔۔۔۔ ہم پچھلے دروازے سے نیچے اترنے لگے۔ اشفاق احمد اور ممتاز مفتی شاید پہلے ہی اتر چکے تھے

ورودِ کراچی

نیچے اترے تو سامان حاصل کرنے کا خیال آیا۔ سامان سمیٹا۔ بچوں کو ایک بنچ پر بٹھایا۔ برادرم عزیزم مختار کو جو ہمیں لینے آئے تھے۔ ان کے پاس چھوڑا اور خود جاپان ائیر لائنز والوں کے کاؤنٹر پر پہنچا کہ ان سے اپنا ٹھکانہ معلوم کر دل لیکن وہاں تالہ پڑا ہوا تھا۔ پی آئی اے والوں سے پوچھا تو جواب ملا کہ "ہم صرف کراچی تک لانے کے ذمہ دار ہیں آ گئے آپ جانیں اور وہ ۔۔۔۔۔ البتہ ہم ٹیلیفون کر کے معلوم کئے دیتے ہیں۔ شاید انہوں نے کوئی بندوبست کر رکھا ہو" ٹیلیفون پر جواب آیا ۔۔۔۔۔ "بندوبست تو ہوٹل میڈو میں ہے وہاں بھیج دیجیے۔ لیکن جو آدمی ان کا انتظام کرنے پر مامور تھا وہ آج چھٹی پر ہے اس لئے ہم مزید کچھ عرض کرنے سے قاصر ہیں" میڈو میں پہنچے۔ انتظام تو تھا لیکن کھانے وغیرہ کے کوپن نہیں آئے تھے جس کا مطلب تھا کہ اگر ائیر لائن والے یہ کوپن نہیں بھیجیں گے تو ہمیں اپنی جیب سے خرچ کرنا ہو گا۔ خیر ۔۔۔۔۔ کمروں میں پہنچے۔ ائیر کنڈیشنر چلایا۔ بیرے کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔ کھانا منگایا تو ساتھ ہی بل آیا۔ پچیس روپے فی کس کے حساب سے کوئی ڈیڑھ سو روپے کا بل تھا۔ ہاتھوں کے طوطے اور چہروں کا رنگ اڑ گیا۔ بیرے نے ہماری یہ حالت دیکھ کر ازراہ مہربانی فرمایا کہ "صرف دستخط کر دیجیے۔ ائیر لائنز کی طرف سے کوپن آ گئے ہیں" ۔۔۔۔۔

ہم جوبلی کی جھلک دیکھ کر بے ہوش ہونے کی سوچ رہے تھے۔ ہوش میں آ گئے اور کھانے پر پل پڑے۔ لیکن کھانا اتنا بدمزہ تھا کہ خاک لطف نہ آیا۔ خیال تھا کہ ایرلائن والوں کی کوتاہی پر انتقاماً بہت کھائیں گے — لیکن ؏

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کراچی کی سیر

حواس بجا ہوتے تو حبیب کو ٹیلیفون کیا حبیب یعنی حبیب اللہ بٹ، جن سے پرانی یاد اللہ ہے لیکن ابھی تک ان کو خدمت کا موقع نہیں دیا تھا (یہ ان کی کسرِ نفسی کے طور پر لکھ رہا ہوں) وہ پانچ بجے شام کار لے کر آ گئے اور آٹھ نو بجے تک بھوں کی سیر کے اوٹ پٹانگ تقاضے پورے کرتے رہے۔ ایک جگہ بیگم کو کچھ شاپنگ کی سوجھی۔ بٹ صاحب نے ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور کے سامنے اتار دیا کہ یہاں سے جو کچھ لینا ہے لے لیجئے! میں سامنے کی سڑک پر کار پارک کرتا ہوں۔ کیونکہ یہاں بیچ سڑک کار کھڑی کرنا جرم ہے۔ اتر گئے۔ جلدی جلدی شاپنگ سے فارغ ہوئے واپس آ کر بٹ صاحب کی کار ایک سڑک پر دیکھی۔ ندارد! دوسری پر ندارد۔ تیسری پر ندارد — مایوس ہو کر فٹ پاتھ پر کھڑے ہو گئے اور ہر آنے جانے والی کار کو گھورتے رہے ؏

تو چہ دانی کہ دریں گرد "حبیبے" باشد

آدھ گھنٹہ۔ پون گھنٹہ۔ ایک گھنٹہ۔ سوا گھنٹہ تنگ آ کر ٹیکسی لینے کی سوجی۔ شام کا جھٹپٹا۔ انسانوں کی ریل پیل دھکم دھکا۔ کاریں بہت لیکن ٹیکسی کوئی نہیں تھی ؏

زمیں سخت تھی آسماں دور تھا

اور ہم خاموش — ؏

جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ

دور سے دیکھا تو حبیب اللہ بٹ، سامنے کی سڑک پر کھڑے تھے اور ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جان میں جان آئی۔ لپک کر پہنچے — "بھائی آپ کہاں تھے؟ ہم تو تلاش کرتے کرتے ہلکان ہو گئے" — "اور آپ کہاں تھے؟" — "ہم تو یہیں تھے!" — "اور میں بھی یہیں تھا اسی سامنے کی سڑک پر!" — "ہم نے تو سب سڑکیں دیکھ ماریں۔ بس سامنے کی سڑک پر غور سے نہیں دیکھی" — "اور میں بھی آپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلکان ہو گیا!" — رشید قیصرانی یاد آ گیا ؎

اک عمر جستجو میں گزاری تو یہ کھلا

وہ میرے پاس تھا میں جسے ڈھونڈتا رہا

شب بسری

واپس ہوٹل آئے۔ بٹ صاحب کو رخصت کیا۔ سونے کی تیاری ہونے لگی لیکن نیند کو آنا تھا نہ آئی۔ ان اونچے ہوٹلوں میں اتنا آرام ملتا ہے کہ نیند اڑ جاتی ہے۔ ہم نے سوچا۔ کہاں آن پہنچے۔ مومن کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ؎

شب جو مسجد میں جا پھنسے مومن

رات کاٹی خدا خدا کر کے

کراچی سے روانگی

صبح چار بجے کی فلائیٹ پر روانگی تھی۔ ڈھائی بجے ائرلائن کی گاڑی لینے آ گئی۔ بوریا بستر سمیٹ کر سوار ہوئے اور جل تو جلال تو پڑھتے ہوئے انٹرنیشنل روٹ کے کسٹم والوں

سے بھڑنے کے لئے تیار ہونے لگے۔ ٹکٹ چیک ہوئے۔ سامان ٹھیک ہوا۔ ٹیکوں کے سرٹیفکیٹ دکھائے گئے۔ آخر پاسپورٹ ویزا اور دیگر کاغذات کی چیکنگ کے کاؤنٹر پر پہنچے۔ دل دھک دھک کر رہا تھا کہ خدایا! اگر ان لوگوں نے میں میکھ نکال کر ہمارا جانا روک دیا تو کیا بنے گا؟ ——— لیکن اس کاؤنٹر پر دو نہایت ہی شریف قسم کے امیگریشن پولیس والے بیٹھے تھے

پاسپورٹ دیکھے ویزے اور دیگر کاغذات چیک کئے اور اٹھ کر سیلیوٹ مارا۔ ابھی ہم اس سیلیوٹ کی وجہ تسمیہ پوچھنے والے تھے کہ خود ہی فرمایا ——— "میں آپ کو جانتا ہوں آپ کے مضامین اوراق میں پڑھتا رہا ہوں اور ایک بار لاہور میں آپ سے مل بھی چکا ہوں۔ آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟" ہم نے نفی میں سر ہلایا تو کچھ اور تعارفی باتیں کیں۔ ہم بزِ اخفش کی طرح سر ہلاتے رہے۔ تاآنکہ وہ صاحب مطمئن ہو گئے اور ہمیں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ہم نے سوچا۔ جان بچی سو لاکھوں پائے۔ لپک کر روانگی کے لاؤنج میں پہنچ گئے۔

جاپان ایئر لائنز کے طیارہ میں

اعلان ہوا کہ جاپان ائیر لائنز کا جہاز آدھ گھنٹہ دیر سے آئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ابھی ایک گھنٹہ مزید لاؤنج میں ٹھہرنا پڑے گا۔ بچوں کو نیند آ رہی تھی اور ہم خود بھی رت جگے کے باعث اونگھ اور نیند کے مابین کسی مقام پر معلق تھے لیکن لاؤنج بہرحال لاؤنج تھا۔ جو باہر کے مختلف روٹوں پر جانے والے مسافروں سے اٹا پڑا تھا۔ اتنے میں ڈاکٹر احمد دین آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب بھی جاپان جا رہے تھے اور ہمارے ساتھ بنکاک تک سفر کرنے کے بعد وہاں سے سیدھے ٹوکیو جانے والے تھے۔ ان سے گپ شپ ہوتی رہی۔ ساتھ کے صوفے پر بیگم گم سم بیٹھی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کے قہقہے کی آواز گونجی مڑ کر دیکھا تو دو تین خواتین کے ساتھ خوب محو ہو کر گفتگو کر رہی تھیں۔ وہ خواتین مارشس کی تھیں اور بمبئی تک کی رفیق سفر بننے والی تھیں۔ جوں توں یہ وقت گزرا۔ جہاز کی آمد کا اعلان ہوا اور پھر مسافروں کو بلاوا آیا۔ ہم بس میں بٹھائے اور جہاز کے قریب اتارے گئے۔ جہاز میں سوار ہوئے تو جاپانی فضائی میزبان خواتین نے عجیب و غریب زبان میں اہلاً و سہلاً کہا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ انگریزی میں استقبالیہ فقرے دوہرا رہی تھیں جو ہماری کم فہمی کے باعث ہمیں سمجھ نہیں آ رہے تھے۔ فرسٹ کلاس میں ہماری پانچ سیٹوں کے علاوہ باقی تمام سیٹیں پُر تھیں اور مسافر خراٹے لے رہے تھے۔ میرے ساتھ کی نشست پر ایک صاحب دراز تھے اور عظیم الشان "خراٹہ نواز" واقع ہوئے تھے (طبلہ نواز کے وزن پر خراٹہ نواز ہماری اختراع ہے ع گر قبول افتد!)

یعنی رات بہت تھے جاگے

جہاز روانہ ہوا تو ہم بھی سونے کا سوچنے لگے اور کچھ دیر کے لئے شاید سو بھی گئے کیونکہ جب بمبئی کے ہوائی اڈہ پر اترنے کا اعلان ہوا تو ہم چونکے تھے اور ہڑبڑا کر پیٹی باندھنے لگے تھے جو پہلے ہی بندھی ہوئی تھی۔ بچے خوب مزے سے سو رہے تھے۔ بیگم بھی چھوٹی بچی کو پالنے میں لٹا کر چین سے سو رہی تھیں۔ ہمارے سامنے کافی کی پیالی اسی طرح لبالب پڑی تھی جو ہم نے غالباً سونے سے پیشتر ائیر ہوسٹس سے منگوائی تھی اور پینے سے پیشتر سو گئے تھے۔ جلدی سے

پیالی کو منہ لگایا اور بڑا سا گھونٹ بھرا لیکن کافی اتنی گرم
تھی کہ لبوں سے معدہ تک ہر چیز کو جھلساتی چلی گئی۔ اس
پر یہ عقدہ کھلا کہ ہم بہت ہی تھوڑی دیر کے لئے سوئے
تھے اتنی تھوڑی دیر کے لئے کہ کافی ابھی گرم تھی اور پٹی ابھی
بندھی ہوئی تھی۔ وغیرہ وغیرہ

بمبئی کا ہوائی اڈہ

اب جہاز بمبئی کے ہوائی اڈہ پر اترنے والا ہے سورج
طلوع ہو چکا ہے۔ دھوپ خوب چمک رہی ہے اور نیچے
شہر میں کچھ بونے سے چلتے پھرتے نظر آ رہے ہیں۔ جہاز ذرا
نیچے ہوا تو انسانی ہیولے صاف دکھائی دینے لگے۔ ہوائی
اڈہ پر جہاز رکا تو بہت سے مسافر اتر گئے۔ ہمارا کیبن بھی
تقریباً خالی ہو گیا۔ میں نے پوچھا "کیا باہر جانے کی اجازت
ہے؟" معلوم ہوا سب لوگ اتر کر لاؤنج تک جا
سکتے ہیں لیکن پاکستانی شہری نہیں اتر سکتے۔ ہم نے کہا
"نہیں تو نہ سہی ــــــ"

بمبئی سے ایک دو مسافر سوار ہوئے اور جہاز
بنکاک کی طرف محو پرواز ہوا۔ کچھ دیر تک تو ہندوستان
کی زمین نظر آتی رہی اس کے بعد سمندر شروع ہو گیا۔ جب جہاز
والوں نے خلیج بنگال کا نام لیا تو ہمیں مشرقی پاکستان بہت یاد
آیا۔ ع اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے ــــ

ناشتہ

ہم ہائے ہائے کر رہے تھے کہ ناشتہ کے لئے میز
لگا دی گئی۔ پہلے چھری۔ کانٹے۔ نیپکن۔ چمچے اور پیالیاں
آئیں پھر قسط وار ناشتہ آنے لگا۔ ع

خم آئے گا، صراحی آئے گی پھر جام آئے گا

ناشتہ کچھ کچھ تو اپنے روایتی ناشتہ کی طرح تھا یعنی توس۔ انڈے
مکھن۔ پنیر وغیرہ اور کچھ وغیرہ وغیرہ تھا جو سمجھ سے بالا تھا
ایئر ہوسٹس سے پوچھا "یہ کیا ہے؟" ــــ جواب ملا۔
"ناشتہ" ــــ ہم نے پوچھا ــــ "سؤر وغیرہ کا
گوشت تو نہیں؟" ــــ فرمایا۔ "نہیں یہ مسلمان ناشتہ
ہے" ــــ گویا ناشتہ بھی مسلمان نکلا۔ الحمد للہ۔ بسم اللہ
پڑھی اور ڈٹ گئے۔ میز صاف ہو گئی۔ "کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ"
جب سیر ہو گئے، تو نیند نے زور پکڑا ــــ جاگے تو تھائی لینڈ
کے دار الحکومت بنکاک کے قریب تھے۔ تھوڑی دیر میں بنکاک
ہوائی اڈے پر اترے۔ ڈاکٹر احمد دین کو الوداع کہا اور سامان
لے کر بال بچوں سمیت لاؤنج جانے کے لئے بس میں سوار ہو
گئے۔ بس میں تین چار مانوس سی خواتین دکھائی دیں۔ ابھی ذہن
کو ٹٹولنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ایک ہماری بیگم کے بالکل
پاس آ گئیں اور ہماری ننھی منی بچی سعدیہ کو پیار کرنے لگیں۔
معلوم ہوا کہ وہ فضائی میزبان خواتین ہیں جو ہمارے ساتھ
کراچی سے آئی ہیں اور اب ایک دن یہاں چھٹی گزاریں گی اور
اگلے روز ہمارے ساتھ جاپان جائیں گی۔

بنکاک میں

بنکاک کے ہوائی اڈہ پر استقبال بڑا خوشگوار تھا
بس معمولی سی چیکنگ ہوئی۔ سامان لیا۔ موٹر میں بیٹھے اور
بنکاک کے سب سے بڑے ہوٹل مانٹیئن (MONTIEN)
پہنچ گئے۔ موٹر میں ہمارے ساتھ ایک خاتون سوار ہوئیں اور

میرے ساتھ کی سیٹ پر میرے قریب بیٹھ گئیں۔ بیگم نے کن انکھیوں سے ہماری طرف دیکھا۔ ہم نے کالر وغیرہ درست کیا اور خوب سلیقہ سے ان کے ساتھ گفتگو کرنے لگے۔ یکایک آپ نے فرمایا کہ ــــــ

"میں بھی کل آپ کے ساتھ ہی منیلا تک جاؤں گا ــــــ" تو ہم نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ خاتون نہیں تھیں۔ کوئی صاحب تھے

؏ مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے۔

ہم نے خفیف ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کیا۔ بیگم بہت خوش ہوئیں اور زیر لب مسکرانے لگیں۔ بچی مونا تھوڑی دیر میں ان صاحب سے بے تکلف ہو گئی اور خوب چہک چہک کر باتیں کرنے لگی ــــــ

ہوٹل میں قیام

ہوٹل پہنچے۔ ہوٹل کیا تھا۔ عجائب خانہ تھا۔ صاف شفاف چمکتے فرش۔ شیشے کے دروازے۔ ہم سیدھے ریسپشن کی طرف بڑھے تو شیشے سے ٹکرا گئے۔ معلوم ہوا۔ رستہ کسی اور طرف ہے۔ موٹر والے سے سامان وغیرہ لیا اور مڑ کر آنے کو تھے کہ وہ لپک کر سامنے آگیا کہ "ٹپ دیجئے ــــــ!" ہم نے کہا۔ "ٹپ کس بات کی۔ جاپان ائرلائن والوں سے لو ــــــ" تنک کر بولا۔ "جی میں ائرلائن والوں کو نہیں آپ کو لایا ہوں" بمشکل ایک ڈالر دے کر جان چھڑائی ــــــ ریسپشن والوں نے بتایا کہ۔ "آپ کے لئے کمرہ نمبر ۲۳۰ - اور ۲۳۱ ریزرو ہیں یہ لیجئے چابیاں اور سدھاریئے دوسری منزل پر ــــــ"

لفٹ کے بارہ میں پوچھا تو مسکرا کر کہا۔ "یہاں لفٹ نہیں ہوتی" ویٹر سامان لے کر جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ اس نے پیچھے مڑ کر ہمیں گھورا۔ کہ میرے پیچھے نہ آیئے

ایلیویٹر (ELEVATOR) پر جایئے۔" معلوم ہوا امریکہ کی طرح یہاں بھی لفٹ کو لفٹ نہیں ایلیویٹر کہتے ہیں۔ دوسری منزل پر پہنچے تو سامان والا بتیسی نکالے سامنے کھڑا تھا کمرے میں گئے۔ داخل ہوئے تو یوں محسوس ہوا۔ کسی اور کے کمرہ میں آگئے ہیں۔ نفیس باریک پردے۔ دبیز دبیز قالین۔ پلنگ پر بیٹھے تو بیٹھتے چلے گئے۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی تو سامنے کونے میں ریفریجریٹر پڑا تھا۔ بچوں نے کھول کر دیکھا تو کوکا کولا۔ فانٹا اور سیون اپ سے بھرا پڑا تھا۔ یہ حضرات ٹوٹ پڑے اور تین تین چار چار بوتلیں چڑھا گئے۔ کونے کی میز پر شراب کی بوتلیں اور تلی ہوئی مونگ پھلی پڑی تھی۔ یعنی ہر ضروری آسائش مہیا تھی کہ مسافروں کو منگوانے اور انتظار کی زحمت سے بچایا جائے سو بچوں نے مونگ پھلی کو بھی کیفر کردار تک پہنچایا اور کھانے کا انتظار کرنے لگے۔

ہوٹل کا کھانا

کھانا منگوانے کے لئے بیرے کو طلب کیا تو اس نے کونے میں رکھی ہوئی ایک موٹی سی کاپی بڑے احترام سے اٹھا کر پیش کی کہ "مینو ملاحظہ فرمایئے!" ــــــ اب جو پڑھنے بیٹھے تو سٹی گم ہو گئی۔ کھانوں کے ایسے ایسے جناتی نام لکھے ہوئے تھے کہ کچھ پلے نہ پڑتا تھا۔ آخر اپنی دانست میں ایک مناسب سا کھانا چن لیا۔ اور آرڈر دیا۔ نام تھا

"INDONESIAN FRIED RICE"

تھوڑی دیر میں کھانا آیا اور بیرے نے آدھ گھنٹہ میں اسے میز پر سلیقہ سے سجایا۔ جب سب میز سج چکی تو

خالص فوجیوں کے انداز میں سیلیوٹ مار کر کہا "تناول فرمائیے!"

ہم سب میز پر پہنچے۔ ایک ڈش اوندھا رکھا تھا۔ اسے اٹھایا تو چاول نظر آئے لیکن اتنے موٹے موٹے اور تنے ہوئے۔ لگتا تھا ابھی ابھی خم ٹھونک کر اکھاڑے میں اترے ہیں چکھے تو عجیب لیساند سی آئی۔ دوسری ڈش دیکھی انڈے سے تھے لیکن خدا معلوم کس چیز کے کہ انڈے تھے بھی اور نہیں بھی ع ہر چند کہیں ہے کہ نہیں ہے

تیسری پلیٹ دیکھی تو معمہ تھا۔ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ چوتھی کے لئے مضمون واحد تھا۔ غرض سارے کا سارا کھانا ایسا تھا کہ فقط کھایا نہ جا سکا۔ بچوں نے ایک ایک دو دو نوالے لئے اور ہاتھ کھینچ لیا۔ بیگم تو ناک پر رومال رکھ کر محض دیکھنے کی گنہگار ہوئیں اور صرف کوکاکولا پی کر ایک طرف ہو بیٹھیں۔ ہم نے بھی کچھ ایسا ہی کیا۔ ۲۵۰ روپے کے بل پر دستخط کئے اور پیٹ پر پتھر باندھ کر چائے کا آرڈر دے دیا۔ جب برا چلا گیا تو مینو کی کتاب مقدس دوبارہ کھنگالنا شروع کی اور آخر MIDNIGHT SNACKS کے کالم میں سے سینڈوچ کو ڈھونڈ نکالا اور چائے کے ساتھ منگوائے۔ حق یہ ہے کہ سینڈوچ بہت مزیدار تھے یہ بھی حق ہے کہ بھوک بھی کچھ زیادہ ہی چمکی ہوئی تھی۔

بنکاک کی سیر

شام کو ہوٹل والوں سے ٹیکسی کرائے پر لی اور بنکاک کی سیر کرنے کی ٹھانی ٹیکسی میں بیٹھنے لگے تو ڈرائیور نے مؤدب ہو کر پوچھا "کہاں سے آئے ہیں؟" بتایا۔ "پاکستان سے" ـــــ جھک کر بولا "مسلمان ــ؟"

عرض کیا۔ "جی ہاں! الحمد للہ مسلمان ـــــ!" فوراً مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھا کر بولا ـــ "السلام علیکم۔ میں بھی مسلمان ہوں۔ میرا نام محمد ہے ـــــ" محمد نے ہمیں تین گھنٹے تک بنکاک کی سیر کروائی۔ بنکاک کیا ہے۔ نرا امریکہ ہے جس کی بہت سے وجوہات ہیں۔ مثلاً ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ کون کون سی بیان کروں؟

بنکاک میں پھلوں کی دکان پر گئے۔ لمبے لمبے کیلے اور لحیم و شحیم۔ درجن بھر لے لئے لیکن اگلے روز رات تک ہم سے ختم نہ ہو سکے جہاز سے اترتے وقت کوڑے کی ٹوکری میں پھینکنا پڑے کہ گل گئے تھے۔ بچوں نے دو کھائے اور سیر ہو گئے رات کو کھانے کا پوچھا تو جواب ملا "بھوک نہیں۔" گویا دو پہر اور رات دونوں کے کھانے کی کسر نکل گئی۔

نرخ بالا کن

بیگم نے ایک بیگ خریدا۔ لاہور میں اس لئے نہ خریدا تھا کہ پچاس روپے میں ملتا تھا اور بہت مہنگا لگتا تھا۔ بنکاک میں اسی قسم کا بیگ ۲۵۰ روپے میں خریدا۔ وطن کی یاد بھی آئی اور قدر بھی معلوم ہوئی۔ ایک بیلٹ کہ لاہور میں پینتیس روپے میں ملتی تھی مہنگی سمجھ کر چھوڑ دی لیکن بنکاک میں ۸۵ روپے میں خریدنا پڑی۔ مجبوری تھی کہ پتلون سینے والے نے بیلٹ باندھنے کی شرط باندھ کر پتلون سی تھی اور بیلٹ کے بغیر پتلون پہنی نہ جا سکتی تھی ورنہ اکبر الہ آبادی کا مضمون پیدا ہونے کا اندیشہ تھا کہ ع "یہ جامے سے باہر ہیں وہ پاجامے سے باہر ہیں" واپس ہوٹل میں آئے ٹیکسی کا بل مانگا۔ تین سو روپے کا بل آیا۔ اور گرد بنکاک کی سیر (اپنی زبان میں سمجھ چوپو) ـــ (جاری ہے)

غزل

جناب فیض چنگوی (کراچی)

بعدِ رسوائی وہ جن کی بزم سے جانا پڑا
وائے مجبوری کہ ہم کو پھر وہاں آنا پڑا

آہ یہ افسونِ دنیا اُف نشاطِ جام مے
ہوش جب آیا تو ہم کو سخت پچھتانا پڑا

باوجودِ صد تمنّا جب خوشی نہ مل سکی
رفتہ رفتہ درد کی لذّت کو اپنانا پڑا

شعلہ و شبنم، گُل و سرو و سمن اور عندلیب
درد ہر دکھیا کو اپنا رو کے بتلانا پڑا

وقت کی یورش نے توڑے جب سلاسل حرص کے
اپنی آوارہ روی پر سخت شرمانا پڑا

مرنا جینا۔ غم خوشی جبرِ مسلسل ہیں سبھی
غنچے کو کھلنا پڑا تو گُل کو مرجھانا پڑا

موت تک فکر و نظر کرتے رہے مشّاطگی
عمر بھر اُلجھی ہوئی زلفوں کو سلجھانا پڑا

سیج پھولوں کی نہیں ہے جادۂ وصلِ حبیب
عشق کو کانٹوں پہ چل کر حسن تک جانا پڑا

بے وفاؤ! گُل نہ کرنا اُن کی یادوں کے چراغ
تم کو دے کے زندگانی جن کو مر جانا پڑا

بارہا محفل میں اُن کی مصلحت سمجھی یہی
فیضؔ دردِ دل چھپا کر اشک پی جانا پڑا

نہ جانے کون مسیحا جبیں ہے جلوہ فگن
کہ جگمگانے لگے دشت و کوہسار و دمن

یہ انقلاب ہے یا رحمتِ خدا کا ظہور
کہاں وہ شامِ غریباں کہاں یہ صبحِ وطن

غلط کہ اہلِ وفا کو کہیں سکوں نہ ملا
بجا کہ راہِ محبت کی منزلیں ہیں کٹھن

ہجومِ فریب تھی کتنی ادائے دلداری
حیاتِ نو کو سمجھا رہا ہوں دورِ محن

نگاہِ ناصرِ دیں کا یہ فیض کیا کم ہے
دلوں میں کروٹیں لینے لگی خدا کی لگن

متاعِ دیدۂ گریاں کو رائیگاں نہ سمجھ
اسی سے پھوٹے پھلے گا تری دعا کا چمن

کیا ہے یوں بھی مبشر کسی نے ذکرِ حبیب
کہ جیسے گھول دیا ہو فضا میں مشکِ ختن

جناب مبشر احمد راجیکی

نذرِ امیر مینائی

جناب عبد الکریم قدسی

گلہ کوئی اہلِ میکدہ سے نہ لب پہ شکوہ حرم نشیں کا
جسے بھی خونِ جگر پلایا وہ سانپ نکلا ہے آستیں کا

گرے تعصب کی آندھیوں سے جو دل کے مینار بھی تو کیا غم
دل و نظر پر تمام واضح تو ہو گیا لطفِ ہم نشیں کا

ہمیں نے اپنے لہو سے بخشی تھی بوٹے بوٹے کو گلفشانی
بہار آئی جو گلستاں میں تو چاک داماں ہوا ہمیں کا

کچھ اس طرح جی رہے ہیں اب ہم تری تکدر بھری فضا میں
نہ رنگِ محفل نہ جوشِ الفت نہ ہوش کچھ جیب و آستیں کا

یہ راز کیا ہے کہ سرفرازی ملی ہمیشہ انہیں، جنہوں نے
خدا کے دیں کا ہی نام لے کر مذاق اڑایا خدا کے دیں کا

نفوس ذوقِ نمو سے محروم کھیتیاں ہو گئی ہیں قدسی
نہ جانے کس بد نظر نے اب کے سہاگ لوٹا ہے اس زمیں کا

"قریب یارو ہے روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا"

جناب محمود کاشف ربوہ

سوچتی آنکھوں میں عکسِ رائیگاں رہ جائے گا
خواب بجھ جائیں گے خوابوں کا دھواں رہ جائے گا

کچھ نہ ہوگا آسماں پر چند چیلوں کے سوا
ساحلِ دریا پہ پاؤں کا نشاں رہ جائے گا

دیر تک دیتا رہوں گا اپنے ہونے کا پتہ
ڈوب جائیگا سفینہ، بادباں رہ جائے گا

خواہشیں دیوار بن کر راہ میں آجائیں گی
فاصلہ یہ تیرے میرے درمیاں رہ جائے گا

آنکھ گم ہو جائیگی کاشف تلاشِ ابر میں
اور دل میں نقشِ یادِ رفتگاں رہ جائے گا

○

خشک ہوئے ہیں ہونٹ رسیلے درد کے مارے پھرتے ہیں
اشک بھرے ہیں نین کٹیلے جان بھی ہارے پھرتے ہیں

ایسی من میں آگ لگی ہے سب کچھ جل کے خاک ہوا
بس میں نہیں ہے چلنا پھر بھی غم کے مارے پھرتے ہیں

دیکھ سکیں نہ دن کا سورج دنیا والے ایسے ہیں
راتوں کو آکاش پہ یونہی چنچل تارے پھرتے ہیں

عمر ہوئی کہ ڈوب چکے ان آنکھوں کی گہرائی میں
دعویٰ اس کا کرنے والے لوگ کنارے پھرتے ہیں

نعیم جو موتی چھوٹے ہیں وہ مانگ میں جا کر سجتے ہیں
حسن کی افشاں بننے کو یہ چاند ستارے پھرتے ہیں

جناب فضل الرحمن نعیم ایم اے ربوہ

○

Digitized By Khilafat Library Rabwah

پودوں پر موسیقی کا اثر

جناب انور نذیر علوی - روہڑی (سندھ)

بھینس کے آگے بین بجانے والا محاورہ تو آپ نے سنا ہوگا اور شاید بین کی آواز سے بھینس کو ڈرتے ہوئے دیکھا ہو لیکن اگر کوئی آدمی پودوں کے سامنے بیٹھ کر بین بجائے یا ستار بجائے تو آپ کو یقیناً حیرت ہوگی لیکن آج ہم آپ کو اس عجیب وغریب حقیقت سے روشناس کراتے ہیں کہ تازہ تجربات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ موسیقی کا اثر پودوں پر خاصا پڑتا ہے اس سلسلہ میں دنیا کے کئی ممالک میں دلچسپ تجربات جاری ہیں۔ سائنسدان اس کوشش میں ہیں کہ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے زیادہ سے زیادہ غذا پیدا کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پودوں پر موسیقی کے اثر سے مدد لی جارہی ہے۔ یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہوگی کہ نباتات اور موسیقی کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ پودے بھی ساز وآواز کو پسند کرتے اور موسیقی کی وجہ سے جلد بڑھتے ہیں۔ امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا میں تو بچے بھی اب ایسے تجربات کر رہے ہیں۔

کیلیفورنیا میں ہی ایک انجینئر شوقیہ طور پر کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں۔ انہوں نے گندم کے ایک تجرباتی فارم پر مئی سے لے کر جولائی تک لاؤڈ سپیکر کے ذریعے وائلن کے ریکارڈوں کے نغمے بجائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس حصہ میں پیداوار دوسرے فارم کے مقابلہ میں ۶۶ فیصد زیادہ تھی اور اس حصے کی گندم کے دانے بھی بڑے اور اچھے تھے۔

سب سے حیران کن تجربات جنوبی ہندوستان کی ایک یونیورسٹی میں ہو رہے ہیں اس یونیورسٹی کی انچارج ایک خاتون ہے۔ یہ خاتون سائنسدان ہونے کے ساتھ ساتھ گلوکارہ بھی ہے۔ وہ صبح سویرے اٹھ کر پودوں کو وائلن سے نغمے سناتی ہے ان گیتوں سے پودے جلد بڑھتے ہیں۔ وہ اس کی وجہ معلوم کرنے کی بھی کوشش کر رہی ہے کینیڈا میں بھی ایسے تجربات ہو رہے ہیں۔ وہاں پر بھی گندم کی فصل پر لاؤڈ سپیکر کی مدد سے سازوں کے ریکارڈ بجائے جاتے ہیں۔ چاول، پیاز، کیلے، اور گاجر کے پودوں پر موسیقی کا اثر اچھا پڑتا ہے۔ تمباکو کی فصل پر وائلن کا اثر بہت زیادہ دیکھنے میں آیا ہے۔ وائلن کی آواز کی وجہ سے اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے اور جڑیں زمین میں گہری چلی جاتی ہیں اس لئے بیماریوں کا بھی اثر کم ہوتا ہے۔

آواز کا اثر پھولوں پر بھی آزمایا گیا ہے۔ پودوں میں موجود سبز مادہ کلوروفل بھی موسیقی سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ کی یونیورسٹی کی

آئینہ

ہر شخص اپنا آئینہ دیکھنے سے گھبراتا ہے تا اُسے اُس کی وہ حالت جو وہ رکھتا ہے نظر نہ آئے جو کہ دوسرے لوگ شخص میں پاتے جاتے ہیں وہ دوسروں میں ڈھونڈتا ہے تاوہ تنقید کر سکے لیکن آئینے کا رُخ دوسروں کی طرف موڑ دینا غلط کار ہی کر سکتا جنگل جا کر یہ سمجھنا کہ ہم شور مچا کر اسے جگا دیں بلکہ وہ ہمارے اندر ہی رہتی ہے۔ یہ شکل آج دنیا کا سب سے مشکل والا کام اپنے آئینے کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اگر تم مسکراتے ہوئے زندگی گزارنا چاہتے ہو تو اسے نبھانا ہے جو لفظ ڈھونڈ کر جسے ہنسنے اور خوشی کا نام دیا گیا ہے۔ ایک انگریز شاعر کہتا ہے۔ ہنسو اور مسکراؤ ساری دنیا تمہاری ہمنوا ہو گی ورنہ تم اکیلے اور تنہا اس دنیا سے کوچ کرو گے۔

(جناب وسیم احمد چیمہ۔ ربوہ)

ایک سائنس دان نے اطلاع دی ہے کہ جس گھر میں وہ موسیقی کی مشق کرتی ہے اس کی کھڑکی کی طرف رکھے ہوئے گملوں کے پودے دوسرے پودوں سے اچھے پھول پیدا کر رہے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ آخر ساز اور آواز میں ایسا کون سا جادو ہے جو نباتات پر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب صرف اتنا ہے کہ آواز ایک توانائی ہے۔ یہ لہروں کی شکل میں چلتی ہے اور جس چیز پر پڑتی ہے اس پر اپنا اثر پیدا کرتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح ہمارے کان کو متاثر کرتی ہے۔ جب سازوں کی آواز پودوں سے ٹکراتی ہے تو ان کے خلیات (Cells) حرکت میں آجاتے ہیں۔ آواز ان میں ایک قسم کا تلاطم پیدا کرتی ہے۔ سب زندہ جسم پروٹوپلازم حاصل کرتے ہیں۔ یہ مادہ سب کی جان ہے۔ پودوں میں اس کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ صبح اور شام کے وقت اس کی مقدار بہت کم ہوتی ہے اس لئے اس وقت ان کو ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جو ان میں حرکت پیدا کر سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ حرکت میں آنے کے بعد پودے آکسیجن بھی زیادہ مقدار میں پیدا کرتے ہیں۔

موسیقی کے اثر کی وجہ سے پودے ساڑھے بیس سے لیکر سو فی صد تک زیادہ آکسیجن پیدا کرتے ہیں۔ زیادہ آکسیجن پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین سے زیادہ خوراک حاصل کرتے ہیں۔ زیادہ خوراک ان کی نشوونما میں مدد دیتی ہے۔ ویسے تو ہر آواز پودوں پر اثر ڈالتی ہے مگر ساز مثلاً بانسری اور وائلن کی آواز کا اثر زیادہ ہوتا ہے پودوں کے کان نہیں ہوتے۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ کس فریکوئنسی (Frequency) کی آواز سنتے ہیں مگر یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ پودے ساز اور آواز سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کی طرف توجہ دیتے ہیں۔۔

○

انشائیہ

"حاضر ہیں میرے جیب و گریباں ...."

مدیرِ "خالد" کا اصرار ہے کہ "خالد" کے لئے کچھ لکھوں۔ میں نے انہیں بہتیرا یقین دلانے کی کوشش کی کہ بھائی اس دورِ برق و شرر میں لکھنا لکھانا جوئے شیر لانا ہے۔ جو ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ پرانے وقتوں میں لوگ بالکل فارغ البال خوشحال اور کثیر الاوقات

سید سجاد احمد۔ ربوہ

ہوا کرتے تھے اس لئے لکھتے لکھاتے رہتے ہوں گے لیکن اُس زمانہ میں بھی بعض بزرگ وقت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ کہہ اٹھا کرتے تھے کہ ؎

اب کہاں ملتا ہے اگلا سا شرر ریزے کا وقت
کہہ لئے دو چار شعر جب کبھی فرصت ہوئی

اس لئے بھائی مجھ سے درگزر ہو اور کسی نچلے آدمی سے رجوع کرو۔ جو ادبِ عالیہ کے موتی رولتا اور بات کو تولتا جاتا ہو لیکن نسیم صاحب فرمانے لگے اسی شعر پر کچھ لکھ دو ــ! اب کوئی ان صاحب سے پوچھے کہ گذرے زمانے میں جب زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ سبک رَو ندی کی طرح پُرسکون اور فرحت بخش ہوا کرتی تھی۔ شرر مرحوم بے کار وقت نہ ملنے کا شکوہ کرتے ــ اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے دو چار شعر کہنے پر ہی اکتفا کرتے رہے اور اب جبکہ ساری زندگی ہی نشیب و فراز۔ الٹ پھیر اور قسما قسم کے بکھیڑوں کھکھیڑوں اور جھنجھٹوں سے بھری پڑی ہے۔ دو چار شعر تو کیا دو چار لفظ ادا کرنا بھی جان جوکھوں میں ڈالنے والی بات ہے۔ لیکن یہ معذرت بھی نسیم صاحب نے قابلِ قبول نہ گردانی اور میری یہ عرضداشت صدا بصحرا ثابت ہوئی اور وہ برابر اصرار پر اصرار کئے چلے گئے کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیئے۔ اب یہ کچھ نہ کچھ والا معاملہ میرے لئے اور بھی سوہانِ روح ثابت ہوا ــ سوچا غور کیا اپنے آپ کو ٹٹولا ذہن اور دماغ کو جھنجوڑا ــ بہت زور مارا کہ کیا لکھوں کیا نہ لکھوں۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل والی آن پھنسا اور بقول فیضؔ ؎

پھر یہ دل سے سُلجھائیں یہ اُلجھے ہوئے سوال
واں جائیں یا نہ جائیں نہ جائیں کہ جائیں ہم

کی تفسیر بن کر رہ گیا اور یہ متذبذبانہ اور مضطربانہ حالت ابھی دور نہ ہوئی تھی کہ دو چار روز کا وقفہ دے کر مدیرِ خالد پھر آن براجے اور وہی مطالبہ دُہرانے لگے۔ میں نے بات ٹالنے کو عنوان کی تعیین کا پیچ ڈالا اور اپنی تبحر علمی کا

رعب ڈالنے کے لئے ساتھ ہی یہ شعر بھی جڑ دیا ؎

دامانِ باغباں سے کفِ گلفروش تک
پھیلے ہوئے ہیں سینکڑوں عنواں مرے لئے

بتایئے کس عنوان پر لکھوں ———— ؟ تو فرمانے لگے۔
کوئی سا بھی عنوان لے لیجئے ———— ! اخلاقی، مذہبی، علمی، ادبی، فنی، سماجی، معاشی ...... کچھ بھی ہو لیکن ہو فرود۔ کوئی انشائیہ، ادب پارہ، جگر پارہ، شہ پارہ، شکر پارہ نمک پارہ ———— وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ادب ملحوظ رکھیئے گا۔
اس پر میری زبان سے بے ساختہ یہ مصرعہ نکل گیا ع

"اَدب اَدب ہے اَدب کا نہیں کوئی مذہب"

بات چونکہ خدا لگتی تھی اس لئے موصوف نے اسی مصرعہ کو موضوعِ سخن بنانے کی فرمائش داغ دی اور مَیں یہ سوچتا رہ گیا کہ علم و ادب کی ترویج و اشاعت میں ہمارا کیا حصّہ ہے؟ اور ہم اب کس نہج پر چل کر ادبی و فنی خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔ اور ہمارا گزشتہ ادبی۔ علمی اور فنّی سرمایہ کس قدر ہے؟ اور آئندہ علم و ادب کی ترویج و اشاعت کے لئے ہمیں کیا کرنا ہے؟ یہ تو ایک مسلّمہ اَمر ہے کہ ہر خطّہ کا ادب اس کی قومی، ملکی، تمدنی، معاشرتی، ثقافتی اور تہذیبی امنگوں کا عکاس ہوتا ہے اور اس کے اظہار کا ایک ذریعہ تخلیقی، تعمیری اور تنقیدی نگارشات ہیں یا ایسی نگارشات جو بکھری ہوئی زندگی کو ترتیب، ذہنی تناؤ کو تسکین، اور فطری روحانیت کی تزئین کرسکیں اور ع

ایں است کامِ دل اگر آید میسّرم

لیکن یہ کام تو بڑے دل گردے کا ہے۔ بڑی جگر کاری چاہتا ہے۔ مسلسل محنت اور عرق ریزی کا خواہاں ہے یہ لکھنا لکھانا۔ علم و ادب کی آبیاری۔ تعمیری ادب کی تخلیق اور روحانی تشنگی کی سیرابی کا مسئلہ دراصل ان عالموں، فاضلوں اور دانشوروں کا ہے جو بحرِ علوم و فنون و ادب کے شناور اور روحانیت کے خضر ہیں۔ اپنی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے ایک خرگوش نے پہلی بار ہاتھی کو دیکھا تو پہاڑ ایسی جسامت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس نے حیرت سے آنکھیں ملیں اور پوچھا۔ "تم کون ہو؟" ہاتھی نے جواب دیا۔ "مَیں ہاتھی ہوں"۔ خرگوش نے ایک بار پھر اس کے قد و قامت پر نظر ڈالی اور پوچھا "تمہاری عمر کتنی ہے؟" ہاتھی نے کہا۔ "چھ ماہ" خرگوش گم سم ہو کر رہ گیا۔ ہاتھی نے اسے خاموش دیکھا تو پوچھا۔ "تمہاری عمر کتنی ہے؟" اس بار خرگوش نے اپنے جسم پر چھچھلتی ہوئی نظر ڈالی اور بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔ "عمر تو میری بھی چھ ماہ ہی ہے لیکن پچھلے دِنوں میں کچھ بیمار رہا ہوں۔"

تو بھائی! مجھے تو اپنی کوتاہ قامتی اور کوتاہ دامنی کا اعتراف ہے اور اس امر کا احساس بھی کہ ؎

خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب کہیں ہوتی ہے اک مصرعۂ تر کی صورت

اور یہ صورت حال بھی مستقل نہیں ہوتی بلکہ معاملہ کچھ یوں ہوتا ہوتا ہے کہ ؎

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم
گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

لیکن اس کے باوجود جب کبھی کہیں سے یہ صدا آتی ہے ؎

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس کے مارے
پھر کوئی آبلہ پا وادیٔ پُرخار میں آئے

تو آبلہ پائی کے باوصف ذوقِ فراواں کام آ ہی جاتا ہے۔

(باقی صفحہ ۴۲ پر)
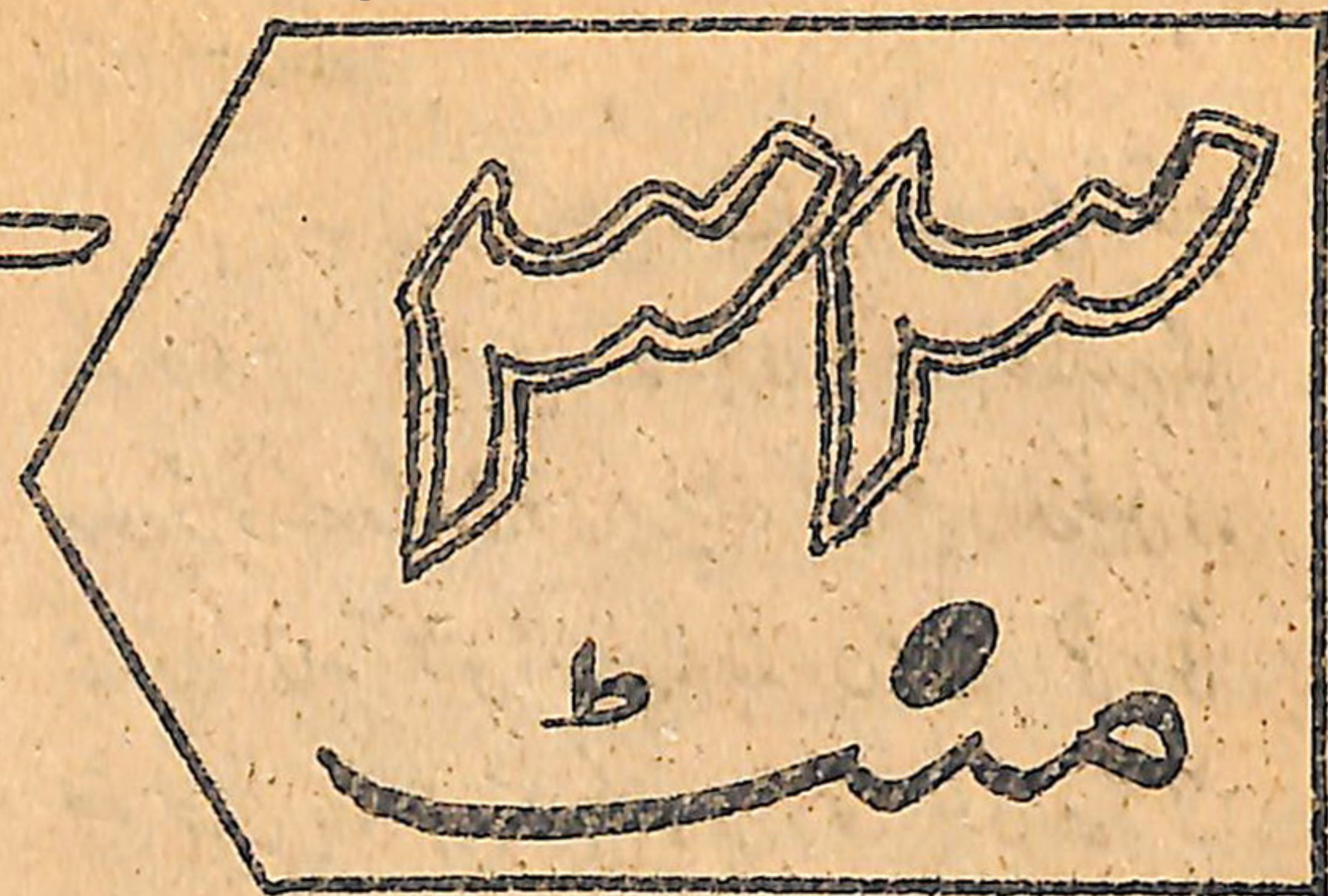
ٹیسٹ پائلٹ لفٹیننٹ بل لاری اپنا دیکھ بھال کرنے والا جہاز آسمان کی وسعتوں میں اُڑا رہا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ تین اشخاص آج سورج ڈھلنے سے پہلے ایک ناممکن معرکہ سرانجام دے کر اپنے نام تاریخ کے صفحات پر زندۂ جاوید بنا دیں گے۔

ورجینیا کیلی

احمد سرتاج ٹھاکر

کیلیفورنیا میں یہ صبح بھی بہار کی دوسری صبحوں کی طرح طلوع ہوئی۔

صاف موسم، نیلا آسمان، سورج کی تمازت، گرم اور خشک ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے فضا کو کیف آور بنا رہے تھے۔ آبنائے سان ڈیگو کی سنہری اور رازنواتی اور کبھی نیلے رنگ کی لہریں کھلبل جھلمل کرتی ہوئی آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں۔

دوسری جنگِ عظیم کے شور و غل سے بے خبر ہر طرف خاموشی مسلط تھی۔ یہاں کے بحری فوج کے اڈے پر بھی جیسے جمود طاری تھا۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔

۱۵ مئی ۱۹۴۱ء کی یہ صبح ابھی نو خیز تھی کہ ۹ بج کر ۴۵ منٹ پر تئیس ۲۳ سالہ سیکنڈ لیفٹیننٹ والٹر اوسی لیف اپنے مال بردار جہاز میں داخل ہوا۔ یہ جہاز چھاتہ برداروں کی مشقوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ آج بھی حسبِ معمول اُس نے بارہ جوان اور اسباب کے تین سلنڈر چھاتہ کی مدد سے زمین پر اتارنے کی مشق کرنی تھی۔

اس وقت ۱۲ سالہ چیف میکینک "میکناٹ" ایک جہاز کے کل پرزوں کی جانچ پڑتال کر رہا تھا اور ۴۲ سالہ والٹر اوسی لیف نے جو کہ ایک کہنہ مشق چھاتہ بردار تھا۔ اپنے جوان اور اسباب ٹھیک ٹھاک پا کر جہاز اڑانے کا حکم دیا۔ جہاز محوِ پرواز ہو گیا۔ بلندی پر جا کر اس نے اپنے آدمیوں کو باری باری چھلانگ لگانے کا حکم دیا۔ اوسی لیف خود جہاز کے دروازے سے صرف چند انچ اندر کھڑا تھا کہ اسباب کا آخری سلنڈر پھینکتے ہوئے اس کے خود کار چھاتہ کا ہینڈل اسباب کے سلنڈر میں پھنس گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا چھاتہ کھل گیا۔ لیف نے بہت کوشش کی کہ چھاتہ میں ہوا نہ بھرنے پائے لیکن اسے تب معلوم ہوا کہ جب چھاتہ اسے گھسیٹ کر باہر لے گیا اور جہاز کی سطح کے ساتھ اس زور سے پٹخا کہ جہاز کی بیرونی سطح میں ۲ ½ فٹ کا سوراخ ہو گیا۔ اور پھر بدقسمتی سے چھاتہ نیچے آنے کی بجائے جہاز کے پچھلے پہیئے میں پھنس کر رہ گیا۔ اس حادثہ میں لیف کے چھاتہ کے دو بند ٹوٹ گئے۔ یعنی چھاتی کا بند اور ایک ٹانگ کا بند اور

اب وہ صرف ایک ٹانگ کے بل جو کہ کھسک کر تختہ پر آ گیا تھا - لٹک رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی چھاتہ کی ۲۸ رسیوں میں سے ۲۴ رسیاں ٹوٹ گئی تھیں اور اس وقت وہ جہاز سے ۱۲ فٹ نیچے اور ۱۵ فٹ پیچھے ہوا میں معلق جہاز کے ساتھ ساتھ پرواز کر رہا تھا - وہ اپنی چھاتی میں سخت درد محسوس کر رہا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی دو پسلیاں اور تین ریڑھ کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ لیکن اس نے اپنے ہوش حواس قائم رکھے - ہوائی جہاز کے عملہ نے بہت کوشش کی کہ لیف کو اندر کھینچ لیں لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی - جہاز کا ایندھن کم ہو رہا تھا اور اگر پائلٹ اس حالت میں جہاز کو اتارنے کا قصد کرتا تو لیف کا کچومر نکل جاتا - جہاز کا وائرلیس سے رابطہ بھی نہیں تھا اس لئے بحری اڈے کے عملہ کو متوجہ کرنے کے لئے پائلٹ جہاز کو نیچے ۳۰۰ فٹ کی بلندی پر لے آیا اور بحری اڈے کے چکر لگانے شروع کر دیئے۔ چند آدمیوں نے اسے دیکھا تو سہی مگر وہ سمجھے کہ جہاز کے پیچھے ٹارگٹ بندھا ہوا ہے۔

اسی دوران میں ٹیسٹ پائلٹ بل لاری اپنا جہاز اتار چکا تھا اور "میک نائٹ" کے ساتھ دفتر کی جانب جا رہا تھا کہ اس نے یہ ماجرا دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی آدمی "مجبوراً" جہاز کے پیچھے لٹک رہا ہے۔ بل لاری نے اپنے مکینک کو پکارا کہ میرا جہاز اڑانے کے لئے تیار کرو اور پھر فوراً ہی "میک نائٹ" کو ساتھ لے کر جہاز کو فضا میں بلند کر دیا۔ چلنے سے قبل کسی نے انہیں چاقو پکڑا دیا تاکہ اس سے رسیاں کاٹ سکیں۔ وہ دونوں مدد کے لئے روانہ تو ہوئے تھے مگر انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ یہ کام کیسے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں گے؟

جب بل لاری کے جہاز نے پرواز شروع کی تو تمام لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بحری اڈے پر کام بند ہو گیا سان ڈیگو کے لوگ چھتوں پر چڑھ گئے۔ بچوں نے کھیل کود بند کر دی - تمام آنکھیں آسمان کی بلندیوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں جہاں یہ ناممکن ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا۔ لوگوں نے گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کر دیں - اس مشکل کام کے ایک ایک مرحلہ پر ان کے دلوں پر دھچکہ لگتا تھا۔

بل لاری اور میک نائٹ چند منٹ میں مال بردار جہاز کے قریب پہنچ گئے جس کے ساتھ لیف لٹک رہا تھا لیکن پانچ بار کوشش کرنے کے باوجود بھی وہ لیف کے مزید قریب نہ ہو سکے - اس پر انہوں نے مال بردار جہاز کے پائلٹ کو ہاتھ کے اشارے سے جہاز اونچا لے جانے کے لئے کہا جس پر وہ جہاز تین ہزار فٹ کی بلندی پہ لے گیا۔

اس مرتبہ بل لاری اپنا جہاز لیف کے قریب لے جانے میں کامیاب ہو گیا - اس نے دیکھا کہ لیف الٹا لٹک رہا تھا اور اس کے لوہے کے خود میں سے خون ٹپک رہا تھا لاری نے آہستہ آہستہ اپنا جہاز اور نزدیک لے جانا شروع کیا۔ وہ اس عمدگی اور صفائی سے لیف کے قریب پہنچا کہ وہ پنکھے کی زد سے محفوظ رہا اور میک نائٹ جو پچھلی سیٹ پر تھا اس کے قریب ہو گیا۔ میک نائٹ اپنی سیٹ پر کھڑا ہو گیا اور لیف کو کمر سے پکڑ لیا۔ لیف نے بھی اس کے کندھوں کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا - میک نائٹ نے لیف کو آرام سے جہاز پر لٹا دیا کیونکہ جہاز میں صرف دو سیٹیں تھیں۔ لیکن وہ ابھی تک چھاتہ کی ان رسیوں کو نہیں کاٹ سکا تھا جن میں

لپٹ بندھا ہوا تھا کیونکہ اس نے دونوں ہاتھوں سے لیف کو سمیٹا ہوا تھا۔ لاری نے محتاط انداز سے اپنے جہاز کو انچ انچ ہالی بیرڈ ہ جہاز کے قریب لانا شروع کیا اور بالآخر اس نے اپنے جہاز کے پنکھے سے چھاتہ کی تمام رسیاں کاٹ دیں۔ یہ سارا عمل ۳۰۰۰ فٹ کی بلندی پر مکمل کیا گیا جب کہ دونوں جہاز ۱۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ رہے تھے اور اس وقت لاری کا جہاز اتنا قریب ہو گیا تھا کہ ہالی برڈ جہاز میں پنکھا لگنے سے ۱۲ انچ گہرا سوراخ پیدا ہو گیا۔

اوسی لیف نے ۳۳ منٹ تک موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اس مصیبت سے چھٹکارا پایا۔ لیکن ابھی بدقسمتی نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ کیونکہ لیف کا چھاتہ الگ ہونے کے بعد لاری کے جہاز کی دم سے لپٹ گیا۔ مگر اس کے باوجود بصد مشکل لاری نے جان پر کھیل کر اپنے چھوٹے جہاز کو نیچے اتار لیا جو کہ معجزہ سے کم نہیں تھا۔

اور آج پھر چھ ماہ ہسپتال میں رہنے کے بعد ستمبر ۱۹۴۲ء کے اوائل میں لیف جہاز سے چھاتہ کی مدد سے چھلانگ لگانے والوں میں شامل تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ، مستعد اور مطمئن تھا لیکن جہاز میں اس کے دوست گھبرائے ہوئے اور باری باری اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ہرایک نے اس سے پہلے چھلانگ لگانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا لیکن اوسی لیف نے سر ہلا کر انکار کر دیا اور سب سے پہلے چھلانگ لگا دی اور چھاتہ کی مدد سے بخیریت زمین پر پہنچ گیا۔

○

اعلیٰ انسان

حضرت کنفیوشس نے فرمایا:—

- اعلیٰ انسان سمجھتا ہے کہ حق کیا ہے اور پست آدمی بھی سمجھتا ہے کہ حق کیا ہے مگر وہ مصلحت اندیش ہوتا ہے۔
- اعلیٰ انسان اپنی روح کو عزیز رکھتا ہے اور پست آدمی اپنی دولت اور جائداد کو عزیز رکھتا ہے۔
- اعلیٰ انسان اپنی سزائیں اور کوتاہیاں یاد رکھتا ہے مگر پست آدمی صرف انعامات یاد رکھتا ہے۔
- اعلیٰ انسان کوتاہی کا الزام اپنے ذمہ لیتا ہے مگر پست آدمی دوسروں کے سر تھوپتا ہے۔
- اعلیٰ انسان با عظمت، باوقار اور مطمئن ہے اور مغرور نہیں ہوتا مگر پست آدمی مغرور ہوتا ہے اور عظمت و وقار سے خالی ہوتا ہے۔
- اعلیٰ انسان دوسروں کی رائے کے بارے میں فراخ دل ہوتا ہے مگر ان سے مکمل اتفاق نہیں کرتا مگر پست آدمی دوسروں سے اتفاق کرتا ہے مگر تنگ دل ہے۔
- اعلیٰ انسان مزاج کا پختہ، غیر جھگڑالو اور دھڑے بندیوں سے الگ رہتا ہے مگر پست آدمی اس کے برعکس۔
- اعلیٰ انسان بنی نوع انسان سے ہمدردی رکھتا ہے کسی کی نیکی اور قابلیت سے حسد نہیں رکھتا مگر خود ان سے آگے بڑھنے کا نیک جذبہ رکھتا ہے اور پست آدمی اس کے برخلاف۔

(صفدر حسین عباسی ربوہ)

○

ہر قسم کی عمارتی لکڑی کیلئے
اپنے معروف ادارہ
گلوب ٹمبر کارپوریشن
۲۶۔ نیو ٹمبر مارکیٹ، راوی روڈ۔ لاہور
پر تشریف لائیں:

لیڈیز کپڑے کیلئے
آپ کی اپنی
دکان
۸۵
انارکلی لاہور

سمندر کے متعلق عجیب و غریب معلومات

وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ

جناب احمد حنیف۔ لاہور

زمین کے ۵/۷ حصے پر پانی اور ۲/۷ حصے پر خشکی ہے۔ آغاز تخلیق میں سائنس دانوں کے خیال کے مطابق جب زمین سورج سے نکلی تھی۔ تو سخت گرم تھی اور سائنسدانوں کا خیال ہے کہ زمین کے سورج سے علیحدہ ہونے سے قبل یہ فقط دھواں ہی دھواں تھی۔ جب اپنی پیدائش کے بعد زمین قدرے ٹھنڈی ہوئی تو ارد گرد کے دھواں نما بخارات پانی بن کر زمین پر ٹپک پڑے اور سمندر کہلائے۔ زلزلوں سے زمین میں نشیب و فراز پیدا ہو گئے اور پانی پستیوں میں جمع ہو گیا اور بلندیاں زندگی کے استقبال کے لئے تیار ہو گئیں۔

علمائے جدید کی تحقیق یہ ہے کہ اس پر زندگی کا آغاز بھی سمندر میں سے ہوا۔ آغاز میں سمندر کے ساحل پر ایک جرثومہ حیات نے جنم لیا۔ رفتہ رفتہ ابتدائی جرثومہ کے تضاعف سے نر و مادہ بنے اور پھر آہستہ آہستہ سمندر میں مرجانوں، مچھلیوں اور جونکوں کا ایک طوفان آ گیا۔ اس کے بعد زندگی نے خشکی پر قدم رکھا اور مختلف ماحول میں مختلف اشکال اختیار کیں۔ ماحول کی طاقت سے اگر انسانوں کے رنگ، زبان آواز اور قد و قامت تک بدل سکتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اگر دریا میں تیرنے والے جانور گردشِ زمانہ کی بدولت زمین یا خشکی پر دوڑنے اور اڑنے لگیں۔ بعض ایسے پہاڑ جو کروڑ ہا سال تک زیر آب رہے۔ وہاں سے ایسے جانوروں کے ڈھانچے دستیاب ہوئے ہیں جن کی لمبائی تیس سے چالیس فٹ تک تھی۔ منہ نہنگ کی طرح۔ جسم مچھلی کی طرح تیرنے کے لئے دو بازو اور فٹ بھر چوڑی آنکھیں تھیں۔ بعض ایسے جانوروں کے پنجر بھی ملے ہیں جو بیالیس فٹ اونچے تھے اور بڑی بڑی مچھلیوں کو دو حصوں میں کاٹ کر پھینک دیتے تھے۔

سمندر کی سطح کبھی بھی پرسکون نہیں رہتی بلکہ ہوا کی وجہ سے اس پر موجیں پیدا ہوتی رہتی ہیں چونکہ لہریں ہوا سے بھی تیز چلتی ہیں اس لئے بعض اوقات یہ آندھی سے ۲۴ گھنٹے قبل ہی ساحل پر پہنچ جاتی ہیں۔ یہ لہریں گہرے پانی میں کم محسوس ہوتی ہیں لیکن ساحل کے قریب یا کم گہرے پانی میں دہشت ناک صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ بحر ہند میں اکثر ایسی لہریں دیکھنے میں آتی ہیں جن کی بلندی تیس سے پینتیس فٹ چوڑائی سات سو تا تیرہ سو فٹ اور رفتار پچیس سے تیس میل فی گھنٹہ تک ہوتی ہے۔ ان کی طاقت کا اندازہ اس

بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک تجارتی جہاز ان لہروں کی زد میں آگیا اور اس کے فوراً پرخچے اڑ گئے۔ بعض اوقات یہ لہریں ہوا کی بجائے زلزلے سے بھی پیدا ہوتی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں بحر الکاہل کے بعض جزیروں کے اردگرد ایسی امواج دیکھی گئیں جن کی بلندی پچاس فٹ سے بھی زیادہ تھی۔ انہی امواج میں سے ایک کی بلندی ۱۸۰ فٹ تک پہنچ گئی تھی اور اس لہر نے وہاں گودیوں پر موجود جہازوں کو اچھال کر پانچ پانچ سو فٹ تک دور خشکی پر پھینک دیا تھا۔ ان لہروں کا اثر پانچ ہزار میل دور تک محسوس کیا گیا تھا۔ ۱۷۳۷ء میں ایک لہر کیپ لوپٹکا (Cape Lapatka) کے جنوب میں اٹھی جو دو سو میں فٹ اونچی تھی۔

سمندر کا پانی موقعہ ملتے ہی ہماری خشکی پر بھی دست درازیاں شروع کر دیتا۔ بعض اوقات تو سمندر کسی جگہ سے خشکی کو اس طرح ختم کر دیتا ہے کہ اس کا وجود سطح آب کے نیچے چلا جاتا ہے اور بعض اوقات جغرافیائی تبدیلیوں کی وجہ سے نئے نئے جزیرے ابھار لیتے ان میں سے بعض کی تفصیل درج ہے۔

۱۔ کارنوال کا علاقہ سمندر کے زیر عتاب آنے سے پہلے قریباً ۱۰۵ لاکھ ایکڑ تھا مگر اب تک سمندر اس میں سے ساڑھے چھ لاکھ ایکڑ کے قریب کھا چکا ہے اور یہ رقبہ گھٹ کر اب ساڑھے آٹھ لاکھ ایکڑ کے قریب رہ گیا ہے۔

۲۔ ہالینڈ میں ۱۲۷۰ء میں جھیل ڈالرٹ نمودار ہوئی جس کی وجہ سے بہت رقبہ پانی کے نیچے آگیا۔ اسی طرح ہالینڈ کے شمال کی طرف تیئس بڑے بڑے جزیرے سے چھٹی صدی عیسوی میں موجود تھے اب یہ ریت کے ڈھیر کی صورت میں چھوٹے چھوٹے دھبے رہ گئے ہیں۔

۳۔ جزیرہ سسلی اور اٹلی کا درمیانی حصہ لیپولس کہلاتا تھا اس میں ۱۴ گرجے اور اتنی ہی بستیاں موجود تھیں آج یہ خطہ زیر آب ہے۔

۴۔ سرتمش میں پہلے خشکی تھی اس علاقہ پر چودھویں صدی میں پانی چڑھ آیا۔ اس کی تہہ سے درخت اور خشکی جانوروں کے ڈھانچے ملتے ہیں۔

۵۔ جزیرہ ہیلگولینڈ (Heligoland) جس کا گزشتہ جنگ عظیم میں بڑا چرچا تھا اور جو بقول ایڈم ڈی بریمی (Adam de Bremse) ۱۰۷۲ء میں چار سو میل لمبا تھا۔ اب صرف ایک میل لمبا رہ گیا ہے۔

۶۔ فریس لینڈ (Friesland) کا دو تہائی حصہ شمالی سمندر میں غائب ہو چکا ہے۔

(۷) انگلستان کا شہر ریوینسپور (Revenspur) جو کسی زمانے میں اتنا اہم تھا کہ وہاں سے پارلیمنٹ کے دو ممبر منتخب ہوا کرتے تھے اب غائب ہو چکا ہے۔

(۸) کسی زمانہ میں ڈنوچ (Dunwich) شرقی انگلیا (Anglia) کا دارالسلطنت تھا اس میں ایک ٹکسال باون گرجے اور دو سو چھتیس مدارس تھے۔ عروج روما کے وقت یہ روما کی سلطنت میں شامل تھا۔ بعد میں ہنری دوم کے چالیس جہاز یہاں رہتے تھے۔ ایڈورڈ دوم کے عہد میں پانی نے شہر پر حملہ کیا۔ چار سو گھر بہہ گئے۔ ۱۵۳۵ء اور ۱۶۰۰ء کے درمیان چار گرجے ڈوب گئے۔ ۱۷۰۲ء میں سینٹ پیٹر کا گرجا تباہ ہوا اور ۱۷۱۲ء میں مکمل شہر ڈوب

گیا۔ اب ساحل سے دور بھی زیر آب ہے۔

اس معاملہ میں اہل برطانیہ کی قسمت کا ستارہ عروج پر ہے۔ گزشتہ ہزار سال میں ہالینڈ، جرمنی، اٹلی، اور دیگر ممالک کو اس دست برد سے کافی نقصان پہنچا لیکن انگلستان فائدے میں رہا چند سال قبل برطانیہ نے ایک کمیٹی اس غرض کے لئے مقرر کی تھی کہ جزائر برطانیہ کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق رپورٹ پیش کرے اس رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا:۔

نام	زیر آب آنے والا رقبہ	رقبہ جو پانی سے نکلا
انگلستان اور ویلز	۴۶۹۲ - ایکڑ	۳۵۴۴۴ - ایکڑ
سکاٹ لینڈ	۸۱۵ - "	۴۷۰۷ "
آئرلینڈ	۱۱۳۲ "	۷۸۵۳ "

ان اعداد و شمار سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ جزائر برطانیہ میں ہر سال ۱٫۲۰۰۔ ایکڑ زمین کا اضافہ ہو رہا ہے۔

جب ہم سمندر کی گہرائی کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انگلینڈ اور امریکہ کے درمیان بعض مقامات بارہ ہزار سے اکیس ہزار فٹ تک گہرے ہیں ان گہرائیوں کے اندر کئی نشیب و فراز ملتے ہیں بعض ۲۰-۳۰ ہزار فٹ اونچے پہاڑ پانی کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ نیو فونڈ لینڈ کے جنوب میں سمندر کی گہرائی ۲۱ ہزار فٹ اور شرق الہند کے مشرق میں دو مقامات پر ۳۰ ہزار فٹ ہے۔ نیوزی لینڈ کے شمال میں ایک مقام پر سمندر کی گہرائی اٹھائیس ہزار آٹھ سو اٹھتر فٹ ہے۔ جاپان اور امریکہ کے درمیان سمندر تقریباً پانچ میل گہرا ہے۔ بالفاظ دیگر جاپان کا چھوٹا سا جزیرہ ایک مہلک کھڈ کے عین کنارے پر واقع ہے اور ممکن ہے کوئی بھی زلزلہ اس ملک کو اٹھا کر ایک چھوٹے سے پتھر کی طرح اس کھڈ میں پھینک دے۔ جزائر فلپائن کے شمال مشرق میں ایک مقام پر سمندر بتیس ہزار ایک سو فٹ گہرا ہے اور غالباً یہ دنیا کا عمیق ترین حصہ ہے اگر اس ہولناک کھڈ میں ماؤنٹ ایورسٹ کو ڈال دیا جائے تو اسے چھونے کے لئے ہمیں تین ہزار فٹ کا غوطہ لگانا پڑے گا۔

اب ہم اس مضمون کے دوسرے رخ سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ سمندر کا پانی بے حد نمکین ہوتا ہے اور ایک آدمی کے

سمندر کے عجائبات

۱۔ برٹش شاڈ فش ایک سال میں ۲۰ کروڑ انڈے دیتی ہے

۲۔ ویل مچھلی کا ایک دانت چھ فٹ لمبا ہوتا ہے۔ خود ویل کم از کم ۸۰ فٹ لمبی اور ۹۰ فٹ موٹی ہوتی ہے

۳۔ ساحلی پہاڑوں میں رہنے والا ایک ۲۰ فٹ لمبا سانپ ہر سال اکتوبر میں آکر کسی چٹان کو منہ سے پکڑ لیتا ہے اور اپنی دم پانی پر پھیلا دیتا ہے۔ دم ٹوٹ جاتی ہے اور اس میں جمع شدہ انڈے باہر نکل کر بچوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں

۴۔ بحر چین کی ایک مچھلی اگر کوئی کھائے تو ہنس ہنس کر مر جاتا ہے اس مچھلی کی فروخت ممنوع ہے۔

۵۔ مچھلی اپنے جسم میں لگے ہوئے پمپ کے ذریعہ ہوا اندر کھینچتی ہے تو ہلکی ہو کر سطح پر آجاتی ہے۔ ہوا خارج کرنے سے بھاری ہو کر نیچے چلی جاتی ہے

۶۔ ایک مچھلی کی دم موم بتی کی طرح جلتی رہتی ہے اور اس میں سے ۵۰۰ موم بتیوں کی روشنی نکلتی ہے۔

۷۔ کچھوے اور ویل مچھلی کی عمریں بہت لمبی ہوتی ہیں

لئے اس کا پینا ناممکن ہے۔ آخر سمندری پانی میں یہ نمک کیوں ہے۔ حال ہی میں ایک مغربی عالم نے اس کی ایک دلچسپ وجہ بیان کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ نمک میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ گوشت کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ قدیم مصری اقوام اپنے فرماں رواؤں کی لاشوں کو نمک میں رکھ کر دفناتے تھے تاکہ وہ قبروں میں گل سڑ نہ جائیں چونکہ سمندر میں روزانہ کروڑوں مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کی موت واقع ہوتی رہتی ہے اور ایام جنگ میں ہزاروں انسان بھی سمندر کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تعفن سے محفوظ رکھنے کے لئے نمک کی کثیر مقدار پانی میں شامل کر دی ہے۔ اگر خشکی کے کسی جانور کو پانی میں پھینک دیا جائے تو وہ گل سڑ جاتا ہے قدرت کا کمال ملاحظہ فرمایئے کہ سمندر میں کروڑہا آبی جانور موجود ہیں اور وہ گلنے سڑنے سے محفوظ رہتے ہیں۔

انسان نے سب سے قبل تو سمندر کی مچھلیوں کو پکڑ کر اس پانی سے اپنی روزی کا سامان مہیا کیا اور اس کے متعلق قرآن مجید میں بھی درج ہے:—

"وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا" (فاطر ۱۲)

اور تم سمندر سے تازہ گوشت حاصل کرتے ہو

مختلف طریقوں سے مچھلیوں کا شکار کیا جاتا ہے اور پھر ان کو محفوظ کرنے کے لئے کئی طریقے بھی ایجاد ہو چکے ہیں۔ ۱۸۷۶ء میں انگلستان کے ۵۰۰ جہاز ماہی گیری کیا کرتے تھے اس زمانے میں برطانیہ بیس لاکھ پونڈ سالانہ ماہی گیری سے کمایا کرتا تھا۔ ۱۸۷۷ء میں برطانیہ نے پچپن کروڑ پچاس لاکھ پونڈ امریکہ سے صرف اس معاہدہ کے موقعہ وصول کئے جس کے تحت امریکہ کو کینیڈا کے سمندروں میں ماہی گیری کی اجازت دی گئی۔ ۱۸۹۸ء میں امریکہ کو دوبارہ اس رعایت سے محروم کر دیا گیا۔ اس وقت ساری دنیا میں سالانہ جتنی مچھلی پکڑی جاتی ہے اس کی قیمت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اکثر ملکوں کے مجموعی بجٹ بھی اس کے آگے ہیچ نظر آتے ہیں یہ دراصل مچھلی پکڑنے والے ملکوں کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے امدادی رقم ہوتی ہے۔

پھر انسان نے سمندر سے دوسرا فائدہ یہ اٹھایا کہ پانی میں تیرنے والی چیزیں ڈالیں اور ان کے اوپر بیٹھ کر اپنے سفر کو آسان بنایا۔ بالفاظ دیگر انسان نے سمندر کا سینہ چیر کر تیرنے والی کشتیاں بنائیں تاکہ اپنے رسل و رسائل کے ذرائع کو بہتر بنا سکے۔ آغاز میں بھاری لکڑیوں اور گھاس کے گٹھوں کو عبور آب کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ پھر بڑے بڑے تنوں کو کھوکھلا کر کے اس مقصد کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ دریائے دجلہ میں پہلے پہل ایک کشتی بنائی گئی جو بعض مقامات پر آج تک استعمال ہو رہی ہے یہ ایک بڑے ٹوکرے پر چمڑہ چڑھا کر بنائی جاتی ہے اور بیس تک آدمی اس پر بیک وقت بیٹھ سکتے ہیں۔

قدیم تاریخ کی سب سے بڑی کشتی حضرت نوحؑ نے تیار کی تھی جو ۴۵۰ فٹ لمبی ۷۵ فٹ چوڑی اور ۴۵ فٹ اونچی تھی۔ قبل مسیح کے دور میں جزیرہ کریٹ بحری مرکز رہ چکا تھا۔ مصر کے قدیم مقبروں سے بھی جہازوں کی تصاویر ملی ہیں ایک ایسی ہی تصویر ۲۴۰۰ قبل مسیح سے

تعلق رکھتی ہے۔ آہستہ آہستہ کشتی میں لوہا وغیرہ
استعمال ہونا شروع ہو گیا۔ اور سمندری جہاز
آہستہ آہستہ ارتقاء کی منازل طے کرنے لگ گیا
۱۱۷۲ء میں اہل انگلستان نے ایک ایسا جہاز تیار
کیا جس میں ۴۰۰ آدمی سفر کر سکتے تھے۔ جہازوں میں
پہلے منجنیق ہوا کرتے تھے پھر توپیں لگ گئیں۔ یہ
پندرھویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔ سترھویں صدی
کے آخر میں یورپ کی تمام اقوام کا بیڑا بیس لاکھ ٹن
تھا جس میں سے ہالینڈ کے پاس ۹ لاکھ ٹن، انگلینڈ
کے پاس ۵ لاکھ ٹن اور فرانس کے پاس صرف ایک
لاکھ ٹن تھے۔

۱۷۳۶ء میں پہلی دخانی کشتی جونیتھن ہلز
نے بنائی لیکن یہ پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی۔ ۱۸۰۶ء
میں امریکی موجد رابرٹ فلٹن نے ایک سٹیم کشتی بنائی جو
ہوا کے خلاف ۴ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلی۔ رابرٹ
نے ہی ۱۸۱۷ء میں ۵۰۰ ٹن کا دخانی جہاز بنایا اور
اس کے بعد دخانی جہاز اس قدر مقبول ہوئے کہ ۱۸۴۲ء
میں جتنے جہاز انگلستان کی بندرگاہوں پر بغرض تجارت
پہنچے اُن میں تیرہ ہزار دخانی تھے۔ اہل انگلستان
نے ۱۸۶۸ء میں چار ہزار ٹن کا ایک ایسا جہاز بنایا
جس نے صرف ۱۴ دن اور سترہ گھنٹوں میں بحر اوقیانوس
کو عبور کر لیا۔ ۱۹۳۳ء میں فرانس نے ۶۸ ہزار ٹن
کا ایک جہاز بنایا۔ اسی سال انگریزوں نے ۷۰ ہزار
ٹن کا اور اسی ہزار ہارس پاور کا ایک جہاز تیار کیا۔ انہی
دنوں میں اوجھیک نامی ایک جہاز ۹۱ ہزار ہارس پاور کا بھی بنایا گیا اور اب تو ایسے عجیب و غریب اور تیز رفتار جہاز ایجاد ہو چکے ہیں کہ بعض اوقات انسان [illegible]
کرتا ہے۔

قیادت ضلع جھنگ کے تعاون سے

خالد انعامی مقابلہ نمبر ۵

مرتبہ: طارق محمود طارق نائب مدیر

(۱) تیمور (TIMOR) سے متعلق خبروں میں UTD کا بڑا تذکرہ ہے یہ کن الفاظ کا مخفف ہے؟

(۲) اخبار "الرحمت" کا اجراء کس سن میں ہوا؟

(۳) THE PAKISTAN TIMES. کا بانی کون تھا؟

(۴) کا کیا مطلب ہے؟

(۵) کابل میں کس مغل بادشاہ کا مزار ہے؟

(۶) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بڑی ہمشیرہ کا نام بتائیے!

(۷) احمدیت کے سب سے پہلے مؤرخ کا نام لکھئے!

(۸) ڈاکٹر سن یات سین ایشیا کے کس ملک کا پہلا صدر تھا؟

(۹) کیا آپ دنیا کے سب سے سست رفتار جانور کا نام بتا سکتے ہیں؟

(۱۰) "کیات" کس ملک کا سکہ ہے؟

نوٹ: حل بھجوانے کی آخری تاریخ ۳۰ جنوری ۱۹۷۶ء ہے۔ اول آنے والے کو دس روپے انعام دیا جائے گا

"ذوق پرور خطابات" بقیہ صفحہ (۱۰)

گوٹن برگ میں تعمیر ہونے والی مسجد کے اخراجات کا اکثر بار جماعت انگلستان نے اٹھانا ہے:

۷ار اخاء کو خطبہ جمعہ کے دوران حضور نے جماعتہائے احمدیہ انگلستان کے احباب کو یاد دلایا کہ گوٹن برگ میں تعمیر ہونے والی مسجد کے اخراجات کا اکثر بار ان کے کندھوں پر ہے۔ انہیں چاہیئے کہ وہ صد سالہ احمدیہ جوبلی کے اپنے دس لاکھ پونڈ کے وعدوں میں سے ستر اسی ہزار پونڈ مارچ ۱۹۷۶ء تک ادا کر دیں تاکہ مسجد بآسانی جولائی ۱۹۷۶ء تک مکمل ہو سکے حضور نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے بموجب اس کے نازل ہونے والے افضال و انعامات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ گوٹن برگ کے ان چودہ یوگوسلاوین باشندوں کے علاوہ جنہوں نے حضور کے قیام گوٹن برگ کے دوران جماعت احمدیہ میں شمولیت اختیار کی تھی اس وقت تک مزید سات یوگوسلاوین دوست بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شامل ہو چکے ہیں۔ اس طرح وہاں نئے بیعت کنندگان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۲۱ ہو چکی ہے۔

سفر یورپ کے دوران بیشمار خدائی فضلوں کا تذکرہ

سفر یورپ سے واپس ربوہ تشریف لانے کے بعد ۱۰ اخاء کو حضور اقدس نے مسجد اقصیٰ میں پہلے خطبہ جمعہ کے آغاز میں فرمایا کہ میڈیکل چیک اپ کے بعد انگلستان کے ماہر ڈاکٹروں نے اطمینان کا اظہار کیا اور بتایا کہ جس قسم کی بیماری کا خطرہ محسوس کیا جاتا تھا وہ بالکل نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا کہ آج ہم دونوں کی خواہش پوری ہو گئی۔ یعنی جماعت اور امام کے درمیان اس بیماری نے جو بظاہر ایک عارضی روک پیدا کر دی تھی وہ جاتی رہی۔

اس کے بعد حضور نے اس سفر کے دوران اللہ تعالیٰ اپنے غیر معمولی فضلوں کے جو نشان قدم قدم پر ظاہر کرتا رہا ان کا مختصراً ذکر فرمایا۔ اس سلسلہ میں حضور نے سویڈن میں گوٹن برگ کے مقام پر پہلی مسجد کے سنگ بنیاد کا ذکر فرمایا نیز فرمایا کہ سکینڈے نیوین ممالک میں مقیم یوگوسلاوین باشندوں میں مقبول حق کی ایک رَو پیدا ہو چکی ہے جس کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے چالیس سے زیادہ گھرانے احمدی ہو چکے ہیں اور ابھی اس میں سرعت کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔

آخر میں حضور ایدہ اللہ بنصرہ نے دعاؤں پر زور دیتے اور نیک اعمال کے ذریعہ خدا کے فضلوں کو جذب کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ ●●

"حاضر ہیں میرے جیب و گریباں" بقیہ صفحہ (۳۲)

ورنہ اپنا حال تو سب سارانِ ساحل کا سا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ:

علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست
وائے محرومی خزف چیں لبِ ساحل ہیں ہم

اور جو شخص ابھی کنارے بیٹھے ساحل پر ہی بیٹھا خالی گھونگھے اور سیپیاں چن رہا ہو اس کوتاہ دامن کے پاس ——— گوہر تابدار کہاں ——— ؟ لیکن بایں ہمہ:

حاضر ہیں میرے جیب و گریباں کی دھجیاں ●●

——— * ———

نیشنل پارک کینیا

(جناب محمد اکرم خان غوری۔ مقیم لندن)

دنیا کی ہر قوم میں شکار کھیلنے کا دستور ہے اور یہ کہنا غلط نہیں کہ شکار کھیلنا فطرتِ انسانی کا حصہ ہے۔ ہزاروں سال پہلے کا انسان بھی شکار کھیلتا تھا اگر وہ شکار نہ کرتا تو ضرور فاقوں مرتا۔ اس کی زندگی کا قیام یا شکار پر تھا یا جنگلی پھلوں وغیرہ پر۔ لیکن جوں جوں انسان ترقی کے میدان میں قدم رکھتا چلا گیا توں توں شکار کرنا کم ہوتا چلا گیا۔ کھیتی باڑی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور شکار انسانی غذا کا اہم ذریعہ نہ رہا۔ اسی طرح شکار کی ضرورت کم ہوتی چلی گئی اور شکار محض شوق اور تفریح کا مشغلہ بن گیا۔ اب وہی لوگ شکار کھیلتے ہیں جنہیں زندگی کے کاروبار سے فراغت ہوتی ہے اور غم روزگار پریشان نہیں رکھتا۔

نسلِ انسانی نے جب کھیتی باڑی اختیار کر لی اور جن ملکوں میں تہذیب قدم جماتی چلی گئی۔ وہاں رفتہ رفتہ جنگلی جانور بھی کم ہوتے چلے گئے کیونکہ کھیتی باڑی کے لئے زمین درکار تھی اس لئے جہاں جہاں انسان آباد ہوتے چلے گئے اپنے اردگرد کے جنگل صاف کر کے میدان بناتے چلے گئے اور اسی حصہ کے جانور آگے جنگلوں میں بڑھتے چلے گئے آپ کے ملک میں آج کل جہاں ہرے بھرے کھیت نظر آتے ہیں کسی زمانہ میں یہاں گھنے جنگل ہوا کرتے تھے جن میں جنگلی جانور ہر طرف پائے جاتے تھے۔ دنیا میں آبادی بڑھتی چلی گئی۔ آبادی کی ضرورت کے مطابق جنگلات صاف ہوتے چلے گئے اور جنگلی جانور معدوم ہوتے چلے گئے۔

کولمبس نے نئی دنیا دریافت کی تو یورپ کے لوگوں نے امریکہ کا رخ کیا۔ اور اس براعظم پر قبضہ کر لیا۔ یورپ سے بہت سے لوگ نکل نکل کر اس نئے براعظم میں آباد ہونا شروع ہو گئے یہ براعظم [illegible] وسیع تھا اور اس ملک کے اصل باشندے تعداد میں بہت کم تھے۔ یورپ سے آنے والے لوگوں کی طرح ان کے پاس آتشیں ہتھیار تھے اس لئے اس ملک کے اصلی باشندے نئی اقوام سے مغلوب ہو گئے اور ان نئے لوگوں نے وسیع پیمانہ پر جنگلات صاف کرنے شروع کر دیئے اور ان جنگلوں میں رہنے والے جانور مار مار کر ختم کر دیئے۔ حال یہاں تک پہنچا کہ ان جنگلات میں جہاں کسی وقت ہر قسم کے جانور لاتعداد پائے جاتے تھے وہ تمام علاقے کھیتی باڑی کے لئے صاف کر کے میدان بنا لئے گئے۔ امریکہ میں اگر آپ جائیں تو دیکھیں گے کہ ایک ایک زمیندار کے پاس سینکڑوں مربع میل کا رقبہ ہے جس میں لہلہاتے ہوئے کھیت حدِ نظر تک دکھائی دیتے ہیں۔ کسی زمانہ میں یہاں گھنے جنگل تھے جن میں لاکھوں جنگلی جانور رہتے تھے اب کہیں نظر نہیں آتے۔ یہی حال

پہلے یورپ کا بھی تھا۔ وہاں بھی جنگلی جانور ختم ہوتے چلے گئے اور اب تو یہ حال ہے کہ جنگلی جانور اگر دیکھنے ہوں تو چڑیا گھروں میں ہی نظر آ سکتے ہیں۔ شکار کے لئے جانور تو بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔ اس لئے یورپ میں شکار کھیلنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ بلکہ اب تو امریکہ میں بھی شکار آسانی سے نہیں کھیلا جا سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شکار کا شوق رکھنے والوں نے اپنا رُخ افریقہ کی طرف کر لیا جہاں ہر قسم کے جنگلی جانور بڑی بہتات سے ملتے تھے۔

بعض لوگ تو واقعی محض شکار سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اسی دلچسپی کے ماتحت وہ دراز کے سفر کے بعد اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ لیکن شکار سے مالی نفع بھی حاصل ہوتا ہے مثلاً ہاتھی دانت ایک قیمتی چیز ہے اور دوسرے ملکوں میں بڑی قیمت پر فروخت ہوتا ہے۔ اسی طرح جنگلی جانوروں کی کھالیں بھی بڑی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں اور شکار سے نفع بھی حاصل ہوتا ہے۔ شکار سے صحیح رنگ میں دلچسپی رکھنے والے تو نفع کی خاطر نہیں بلکہ محض اپنا شوق پورا کرنے کے لئے شکار کو جاتے تھے لیکن ان شکاریوں میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہو گیا تھا۔ جو جانور محض مالی نفع کی خاطر شکار کرتا تھا اور جب لالچ اور حرص کام کرنے لگ جائے تو انسان نہ قانون کا خیال کرتا ہے نہ جذبات کا۔ اور اگرچہ ملکی حکومتیں [illegible] شکار کے بارے میں ایسے قوانین نافذ کئے تھے جس سے جنگلی جانوروں کے معدوم ہو جانے کا خطرہ نہ رہتا تھا لیکن [illegible] جانور نہایت بیدردی سے مارنے شروع کر دیئے تو حکومت نے نگہداشت کڑی کر دی اور جنگلوں میں محافظ مقرر کئے جنہیں GAME SCOUTS. [illegible] شکاریوں پر نظر رکھتے تھے۔ اب ان

جو بعض شکاریوں نے یہ طریق اختیار کیا کہ مقامی باشندے اپنے ساتھ شامل کر لئے اور انہیں معمولی معاوضہ دے کر ہاتھی دانت، گینڈے کے سینگ اور کھال اور اسی طرح دوسرے جانوروں کی کھالیں خرید لیتے تھے اور بیرونی ممالک میں سپلائی کر دیتے تھے۔ افریقن لوگ ان جانوروں کا شکار پھندوں کے ذریعے کیا کرتے تھے اور اسی طرح جنگلی جانور نہایت بیدردی سے مارتے تھے۔ الغرض ان شکاریوں نے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ حکومت کو بڑی تشویش پیدا ہو گئی۔ اور یہ احساس پیدا ہو گیا کہ اگر ان باتوں کا تدارک نہ کیا گیا تو تھوڑے عرصہ میں ان جنگلوں کا بھی وہی حال ہو جائے گا جو یورپ اور امریکہ کے جنگلات کا ہوا تھا جہاں اب شکار کے لئے جانور بہت کم پائے جاتے ہیں۔

کینیا گورنمنٹ کو ایک اور وجہ سے بھی تشویش

پیدا ہوتی۔ وہ یہ تھی کہ کینیا میں ہر سال سینکڑوں شکاری
دوسرے ملکوں سے آتے تھے اور لاکھوں روپیہ کا کاروبار
ان کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اگر شکار ختم ہو جاتے تو لاکھوں
بلکہ کروڑوں روپیہ کا نقصان ملک کو پہنچ جانے کا اندیشہ تھا
علاوہ ازیں یہ بات بھی تھی کہ اکثر لوگوں کو اس حقیقت سے
دلی دکھ ہوتا تھا کہ محض چند گنتی کے بے رحم اور لالچی لوگ
بے زبان جانوروں پر ظلم ڈھاتے ہیں اور حد درجہ بیدردی
اور بے رحمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ملک میں اس سمگلنگ
کے کاروبار کے خلاف ایک لہر دوڑ گئی اور اخبارات میں
جانوروں کے خلاف ان مظالم کے بارے میں مضامین شائع
ہونے شروع ہو گئے۔

ان ایام میں کینیا کے چیف گیم وارڈن (Chief
Game Warden) مسٹر کووی (Mr. Cowie)
تھے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں جانوروں کے حق میں ایک دردمند
دل عطا کیا تھا اور یہ سمگلروں کے قابل نفرت طریقوں سے
سخت بیزار تھے۔ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے حکومت کے
سامنے یہ تجویز پیش کی کہ بندوق سے جنگلی جانوروں کا شکار
کرنے والا رقبہ تنگ کر دیا جائے اور ایک ایسا وسیع رقبہ محدود
کر دیا جائے جہاں بندوق سے شکار کرنا قطعاً ممنوع قرار
دیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حریص اور غیر ذمہ دار شکاری
جانوروں کو بیدردی سے ضائع نہ کر سکیں گے۔ اور جنگلی
جانوروں کی نسلیں معدوم ہونے سے بچ جائیں گی۔

مسٹر کووی (Cowie) کی یہ تجویز سرکاری حلقہ
اور عوام الناس نے بہت سراہی اور شکاریوں میں اس
خیال کو زیادہ سے [illegible] شہرت ہو گئی کہ جنگلی جانوروں
سے مار دینے میں کوئی خاص کمال نہیں کیونکہ جو جانور
گولی سے مارا گیا وہ تو ختم ہو گیا اور بعد میں آنے والے
اسے دیکھنے سے محروم ہو جائیں گے۔ زیادہ دلچسپ شکار
تو یہ ہوگا کہ بندوق سے Shooting کی بجائے کیمرہ
سے شوٹنگ کی جائے۔ اس طرح جنگلی جانور کی جان بھی
ضائع نہ ہوگی اور اس جانور کی تصویر ہمیشہ کے لئے کیمرہ
محفوظ کر لے گا۔ کیمرہ سے شوٹنگ کی تجویز اخبارات،
اشتہارات اور کتابچوں کی صورت میں تمام ممالک میں پھیلا
دی گئی۔ اکثر لوگوں نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا اور اس
طرح کینیا میں Mr Cowie کی تجویز کو ہمیشگی حاصل
ہو گئی اور نیشنل پارک قائم ہو گئے۔ یہ تجویز ایسی مقبول
ہوئی کہ اب نہ صرف افریقہ کے اکثر دیگر ملکوں میں نیشنل
پارک موجود ہیں بلکہ دنیا کے تمام ملکوں میں جگہ جگہ ایسے
پارک بنا دیئے گئے ہیں۔

••

کفوری پلز

جگر و مثانہ کی گرمی۔ جریان، دل کی دھڑکن۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا
کانوں میں شاں شاں کی آواز، نکسیر، ہاتھ پاؤں جلنا۔ گویا
جگر کی گرمی دور کر کے نیا خوشحال زندگی عطا کرتی ہے۔

مرہم عیسیٰ

داد، چنبل، دھدر وغیرہ
جلدی امراض کیلئے اکسیر ہے

تیار کردہ:

کفوری فارمیسی (یونانی) ۱۵/ج اشالامار ٹاؤن لاہور

فون نمبر: ۳۳۱۷۸۵

الفضل

روزنامہ ربوہ

ہمارا، آپ کا اور سب کا اخبار

اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے اقتباسات
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ کے روح پرور خطبات
علمائے سلسلہ کے اہم مضامین، بیرونی ملکوں میں جماعت کی مساعی
کی تفاصیل اور اہم ملکی و غیر ملکی خبریں شامل ہوتی ہیں۔ آپ خود
بھی یہ اخبار پڑھیں اور دوسروں کو بھی مطالعہ کے لئے دیں۔

اس کی توسیع اشاعت آپ کا جماعتی فرض ہے

(مینیجر الفضل ربوہ)

مرسلہ: ——————— جناب طارق احمد بٹ کراچی

"پچھلے جاڑوں کا ذکر ہے میں گرم پانی کی بوتل سے سینک رہا تھا کہ ایک بزرگ جو اسی سال کے پیٹے میں ہیں خیر و عافیت پوچھنے آئے اور دیر تک خیر و عافیت کی باتیں کرتے رہے جو تیمار داروں کو ذرا قبل از وقت معلوم ہوئیں۔ آتے ہی بہت سی دعائیں دیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ خدا مجھے ہزاری عمر دے تاکہ میں اپنے اور ان کے فرضی دشمنوں کی چھاتی پر روائتی مونگ دلنے کے لئے زندہ رہوں۔ اس کے بعد جانکنی اور فشار گور کا اس قدر مفصل حال بیان کیا کہ مجھے غریب خانے پر گورِ غریباں کا گمان ہونے لگا۔ عیادت میں عبادت کا ثواب لوٹ چکے تو میری جلتی ہوئی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا۔ جس میں شفقت کم اور رعشہ زیادہ تھا اور اپنے بڑے بھائی کو جن کا انتقال تین ماہ قبل اسی مرض میں ہوا تھا جس میں میں مبتلا تھا۔ یاد کر کے کچھ اس طرح آبدیدہ ہوئے کہ میری بھی ہچکی بندھ گئی —— میرے لئے جو تین عدد سیب لائے تھے وہ کھا چکنے کے بعد انہیں جب قرار آیا تو وہ مشہور تعزیتی شعر پڑھا جس میں ان غنچوں پر حسرت کا اظہار کیا ہے جو بن کھلے مرجھا گئے میں فطرتاً رقیق القلب واقع ہوا ہوں اور طبیعت میں ایسی باتوں کی سہار بالکل نہیں ہے۔ ان کے جانے کے بعد جب لاد چلے گا بنجارہ" والا موڈ طاری ہو جاتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ ہر پرچھائیں بھوت اور سفید چیز فرشتہ دکھائی دیتی ہے ایک، دن کان کے درد میں تڑپ رہا تھا کہ وہ آ نکلے۔ اس افراتفری کے زمانہ میں زندہ رہنے کے شدائد اور موت کے فیوض و برکات پر ایسی موثر تقریر کی کہ بے اختیار جی چاہا انہی کے قدموں پر پھڑ پھڑا کر اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دوں اور انشورنس کمپنی والوں کو روتا دھوتا چھوڑ جاؤں۔ ان کے دیکھنے سے میرے تیمارداروں کے منہ کی رہی سہی رونق جاتی رہتی ہے۔ مگر میں سچے دل سے ان کی عزت کرتا ہوں کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ محض جینے کے لئے کسی فلسفے کی ضرورت نہیں لیکن اپنے فلسفے کی خاطر دوسروں کو جان دینے پر آمادہ کرنے کے لئے سلیقہ چاہیئے۔"

(مشتاق احمد یوسفی)

○

جوابِ طلب امور کیلئے جوابی لفافہ آنا ضروری ہے

مطالعہ کتب

برائے سال ۷۶-۱۹۷۵ء

(۱) نومبر ۷۵ء ــــــ سناتن دھرم

(۲) دسمبر ۷۵ء ــــــ مدشیراد حلیہ بد دعا

(۳) جنوری ۷۶ء ــــــ اسلامی اصول کی فلاسفی

(۴) فروری " ــــــ انفاخ قدسیہ

(۵) مارچ " ــــــ احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے

(۶) اپریل " ــــــ مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی

(۷) مئی " ــــــ ایک غلطی کا ازالہ

(۸) جون " ــــــ آسمانی فیصلہ

(۹) جولائی " ــــــ ضرورت الامام

(۱۰) اگست " ــــــ نشانِ آسمانی

(۱۱) ستمبر " ــــــ } بعد میں اعلان ہوگا

(۱۲) اکتوبر " ــــــ }

(مہتمم تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

Monthly **KHALID** *Rabwah*

Sulh 1355 H. S.—January 1976 Regd. No. L5830

Editor : NASIM MAHDI

Title printed at the Nusrat Art Press, Rabwah.